نشریۂ شرکت وراقت دکن
(۲)

عہدِ نبوی کے میدان جنگ

از
محمد حمید اللہ
استاذ قانون بین الممالک
جامعۂ عثمانیہ

سنہ ۱۳۶۴ھ م سنہ ۱۳۵۴ف م سنہ ۱۹۴۵ء

بیرہ عہ کلدار
۱۲ عہ سکۂ عثمانیہ

سول ایجنٹ۔ بیرون حیدر آباد
مکتبۂ پاکستان، ۵۴ سرکلر روڈ۔ بیرون موچی دروازہ۔ لاہور

سلسلۂ شرکت وراقتِ دکن نمبر ۲

عہد نبوی کے میدانِ جنگ

از

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

استاذ قانون بین الممالک

جامعۂ عثمانیہ

دو فرنچ اڈیشنوں کے علاوہ
اردو میں تیسرا اڈیشن

مطبوعۂ

انتظامی پریس حیدرآباد دکن

(۲۰۰۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبعِ ثالث

پانچ برس ہوئے ۱۳۵۹ھ میں یہ مضمون "مجموعۂ تحقیقاتِ علمیہ جامعۂ عثمانیہ (شعبۂ دینیات و فنون سالنامۂ ہفتم) میں شائع ہوا تھا، اور اس کے کچھ زائد نسخے بھی چھپ کر الگ شائع ہوئے تھے۔ وہ پہلی کوشش غیر معمولی طور پر مقبول رہی۔ اور اگرچہ اس پورے دوران میں جنگ کے باعث مکرر سفرِ حجاز کا موقع نہ ملا، اور غزوۂ خیبر کے اہم تشنہ جزء کی تکمیل نہ ہوسکی؛ لیکن بہرحال عام نظرِ ثانی اور ترمیم و اصلاح کے بعد اب مکرر شائع کیا جاتا ہے۔ کاغذ کی گرانی اب بھی انتہا پر ہے، مگر سابقہ ذخیرے کے ختم ہو جانے اور طلب کے جاری رہنے نے مکرر طبع پر آمادہ کر دیا ہے۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ

دیباچہ

باعثِ تحریر حالیہ چند صدیوں میں علوم و فنون کی ترقی سے جنگ کے طریقوں اور اصولوں میں اتنا کچھ انقلاب آگیا ہے کہ قدیم زمانے کی لڑائیاں، چاہے اپنے زمانے میں کتنی ہی عہد آفریں کیوں نہ رہی ہوں، اب بچوں کا کھیل معلوم ہوتی ہیں۔ آج کل بڑی سلطنتوں کے لئے ایک ایک کروڑ کی فوج کو بیک جنبشِ قلم حرکت میں لا لینا معمولی بات ہے۔ اسلحہ میں اتنی کچھ ترقی ہوگئی ہے کہ قدیم ہتیار عجائب خانوں میں رکھنے کے سوائے بہت کم کچھ کام آسکتے ہیں۔ ذرائعِ حمل و نقل بھی اب پہلے سے اتنے بدل گئے اور تیز اور کثیر ہوگئے ہیں کہ مہینوں کا کام گھنٹوں میں ہو جاتا ہے

فہرست مضامین

فوٹو اور نقشے

campaigns lessons applicable to the present. To read with a view to acquire merely knowledge of historical events is of little value. The size of modern armies and their improved armaments and means of communication render many lessons of the past inapplicable to the present. But human nature and the underlying principles of war do not change, and it is for this reason that valuable lessons can be learned from even the most ancient campaigns."

(War Office Training Regulations, 1934, pp 23-23

کی یادداشت سے ایسے سبق حاصل کریں جن کا اب اطلاق ہو سکے۔ صرف اس غرض سے پڑھنا کہ محض تاریخی واقعات کا علم ہو جائے کچھ زیادہ مفید نہیں۔ زمانۂ حال کی فوجوں کی وسعت اور اُن کے ترقی یافتہ اسلحہ اور ذرائع حمل و نقل کے باعث ماضی سے حاصل ہونے والے بہت سے سبق حال پر منطبق نہیں ہو سکتے۔ لیکن انسان کی فطرت اور وہ قواعد جن پر جنگ مبنی ہوتی ہے بدلتے نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ نہایت قدیم زمانے کی معرکہ آرائیوں سے بھی قیمتی سبق سیکھے جا سکتے ہیں۔"

یہ ظاہر ہے کہ گزری ہوئی معرکہ آرائیوں کے مطالعے سے پورا فائدہ اُسی وقت اُٹھایا جا سکتا ہے جب اِس بات کا نہایت احتیاط کے ساتھ پتہ چلایا جائے کہ سپہ سالاروں نے اُصول کا کس طرح انطباق کیا اور اُس سے کیا نتائج پیدا ہوئے

عہدِ نبوی کی جنگیں تاریخ انسانی میں غیر معمولی طور سے ممتاز ہیں۔ اکثر دُگنی تگنی اور بعض وقت دس گنی قوت سے مقابلہ ہوا، اور قریب قریب ہمیشہ ہی فتح حاصل ہوئی۔ دوسرے، چند محلوں پر مشتمل ایک شہری مملکت (City State) (سٹی اسٹیٹ) سے جو آغاز ہوا وہ روزانہ دو سو چوہتر مربع میل کے اوسط سے وسعت اختیار کرتی ہے اور دس سال بعد جب آنحضرت صلعم کی وفات ہوئی تو دس لاکھ سے بھی زیادہ مربع میل کا رقبہ آپ کے زیرِ اقتدار آ چکا تھا۔ اس تقریبًا ہندوستان کے برابر وسیع علاقے کی فتح میں، جس میں یقینًا ملینوں کی آبادی تھی، دشمن کے بمشکل ڈیڑھ سو آدمی قتل ہوئے۔ مسلمان فوج کا مشکل سے

اور انھیں وجوہ سے شاید ایک عامی یہ خیال کرتا ہوگا کہ قدیم زمانے کی جنگوں کا تذکرہ چاہے مؤرخ کے لئے کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو، ان کا عملی فائدہ آج کل کچھ نہیں۔

لیکن انگلستان میں طلبائے حربیات کو آج بھی آغاز تعلیم و تربیت پر پہلے ہی دن سُنا دیا جاتا ہے کہ:-

"It must be understood by all officers that the most important part of their individual training is the work they do by themselves.... Military history must unquestionably have the most important place in such study as being the best means of learning the true meaning of the principles of war and their application, and of studying the preponderating part which human nature plays in all operations ... Military history, as already stated, is of great importance in the instruction of officers. It is for this reason that a special campaign, or a special period of a campaign, is selected every year for general study during the individual training season.

"جملہ افسروں کو یہ جان لینا چاہیئے کہ اُن کی انفرادی تربیت کا سب سے اہم جزو وہ کام ہے جسے وہ خود انجام دیں...... فوجی تاریخ کو بلا شک و شبہہ اس قسم کے مطالعے میں سب سے اہم جگہ ملنی چاہیئے کیونکہ اُصولِ جنگ کے صحیح مفہوم اور ان کے اطلاق کو سمجھنے اور یہ معلوم کرنے کا کہ ہر فوجی کارروائی میں انسانی فطرت ہی سب سے زیادہ مؤثر حصّہ لیتی ہے، یہی سب سے بہتر ذریعہ ہے ...... جیسا کہ بیان ہوا، افسروں کی تعلیم میں فوجی تاریخ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انفرادی تربیت کے موسم میں ہر سال عام مطالعے کے لئے کوئی خاص فوجی مہم یا کسی مہم کا کوئی خاص دَور منتخب کیا جاتا ہے۔

"In the study of military history the object should be to derive from the records of the past

" فوجی تاریخ کے مطالعے کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ گزشتہ فوجی معرکہ آرائیوں

عہد نبوی کی جنگیں

وجوہ جنگ عام طور سے معلوم ہے کہ ۱۳ ق ھ (۶۱۰ ع) میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے شہر مکّہ[۵۱] سے توحید کی دعوت دینی شروع کی (دیکھیے تصویر غار حرا ۱-ب) چونکہ یہ بلاوا ایک تو ملک کے عام بُت پرستانہ موروثی رسم ورواج کے خلاف تھا، اور دوسرے اِس دعوت پر لبیک کہنا اس کے داعی کو اپنا سردار بنا لینا تھا جو سرداری کو ایک جونیر گھرانے میں منتقل کرنے کے مترادف ہونے کے باعث اور تو اور خود رسول اللہ کے خاندان (بنی ہاشم) کے متعدد معمر لوگوں کو سخت ناپسند تھا، سب نہیں گھرانا عملی مخالفت پر اُتر آیا تو عوام بھی گھاس پھوس کی طرح ہوا کا ساتھ دیتے اور اُس کی رو کے رُخ جھک جانے پر مجبور تھے۔

دنیا کی ہر چیز سے منہ موڑ کر تن من دھن سے اس تحریک کو چلانے اور آٹھ دس سال گزر جانے کے باوجود مکّے کا چھوٹا سا قصبہ بھی (جیسا کہ وہ اُس وقت تھا) ہمنوا نہ ہو سکا، بلکہ مخالفت سے جان ہی کے لالے پڑ گئے۔ شفیق بیوی اور بزرگ خاندان اور حامی و محافظ چچا (ابو طالب) کی ایک ساتھ وفات آپ کے لئے معمول سے زیادہ دشواریوں کا باعث بنی، کیونکہ نئے بزرگ خاندان چچا (ابو لہب) سے شروع ہی سے مخالفت تھی، اور اب اس چچا نے بزرگ خاندان بنتے پر ابتداءً تنبیہ کی اور پھر صاف صاف "حات باہر" کر دیا۔ مجبوراً آنحضرت کو نئے محافظ ڈھونڈھنے پڑے۔ آپ کو خیال آیا کہ آپ کے ماموؤں (اخوال) کا خاندان بنو عبد یالیل طائف میں بستا ہے[۵۲]۔ آپ کے چھوٹے چچا اور ولی رفیق حضرت عباس طائف میں رقمی لین دین کر کے کافی رسوخ رکھتے تھے[۵۳]۔ یہ مقام مکّے سے زیادہ دُور بھی نہ تھا، یہ پچاس میل ہوتا ہے۔ آج بھی مکے سے عصر کے بعد پانچ بجے کے قریب گدھے پر سوار ہوں تو آدھی رات کو جبل کرا کے دامن میں پہنچ جاتے ہیں، فجر کو چڑھائی شروع کریں تو قبل ظہر گدھا طائف پہنچا دیتا ہے۔ اونٹ بیس پچیس میل روز طے کر کے طریق الجعرانہ پر دو دن لیتا ہے۔ جدید "طریق السیّارہ" کے نشیب پہیل ڈاک کی موٹر لاری

---

۵۱ مکے کے سیاسی نظام وغیرہ کے لئے دیکھیے میرا خصوصی مضمون "شہری مملکت مکہ" (معارف اعظم گڈھ، جنوری و فبروری ۱۹۴۲ء)
۵۲ المنتقی لابی نعیم فصل (۲۰) ۵۳ سیرۃ ابن ہشام ص ۲۵۱

اس دس سال میں ماہانہ ایک سپاہی شہید ہوتا رہا۔ انسانی خون کی یہ عزت تاریخ عالم میں بلا خوف تردید بے نظیر ہے۔ پھر ان فتوحات کا دوسرا پہلو قبضے کا استحکام، مفتوحوں کی ذہنیت کی کایا پلٹ اور ان کا مکمل طور سے اپنا لیا جانا اور ایسے افسروں کی تربیت کرجانا کہ آپؐ کی وفات کے پندرہ ہی سال بعد تین براعظموں (ایشیا، افریقا اور یورپ[1]) پر پھیلے ہوئے علاقوں پر مدینے کی حکومت کا قائم ہو جانا، یہ تمام اور دیگر امور ہمیں عہدِ نبوی کی جنگوں کا مطالعہ کرنے کا غیر معمولی طور سے شایق بنا دیتے ہیں۔

مشکلات سیرتِ نبوی پر دنیا کی ہر مہذب زبان میں کم یا زیادہ تفصیل کے ساتھ مواد فراہم ہو چکا ہے۔ اس مواد کے فراہم کرنے والے دوست بھی ہیں، مخالف و معاند بھی۔ سیرتِ نبویؐ کے جنگی حصے پر بھی مواد کی کوئی کمی نہیں لیکن غزواتِ نبوی پر تاریخی نہیں بلکہ حربیاتی (فنِ حرب کے) نقطۂ نظر سے میرے پڑھنے یا سننے میں اب تک کوئی چیز نہیں آئی۔ ساڑھے تیرہ سو سال پہلے کی جنگوں پر کچھ لکھنے کے لئے حربیاتی اور تاریخی دو بالکل مختلف قسم کی مہارتیں درکار ہیں۔ میں ان دونوں سے بھی محروم رہا ہوں لیکن "مردے از غیب برون آید و کارے بکند" کا یا خود میں ان صلاحیتوں کے پیدا ہونے اور "نو من تیل" کے فراہم ہونے کا انتظار کرنا اُن تھوڑے بہت معلومات کو بھی ضائع کر دینا تھا، جو مطالعے اور سفر سے اتفاقاً مجھے حاصل ہوئے ہیں۔ اس لئے جو بھی مجھ سے ہو سکا مرتب کیا گیا ہے۔ اور اس کی کوتاہیوں کے پورے احساس و اعتراف کے ساتھ افادے و اعلام کے لئے نہیں بلکہ اصلاح و ترمیم کی غرض سے اہل علم کی خدمت میں پیش ہے۔

---

[1] ۲۷ھ میں حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں طبری کے بیان کے مطابق مسلمانوں نے اندلس کے کچھ حصے پر قبضہ کر لیا، اور باوجود کمک نہ آنے کے وہیں حاکمانہ و قابضانہ مقیم رہے۔ تا آنکہ ۹۲ھ میں طارق نے آکر فتح کو مکمل کر لیا۔ (تاریخ طبری صفحہ ۲۸۱۷) نیز: Decline and Fall of Roman Empire. مؤلفہ گبن صفحہ ۵۵۵ وغیرہ

منیٰ وعمر فی سنة ۱۴۴ ثم ۶۲۹ من قبل المستنصر العباسی والعمارة السابقة من قبل المنصور
ترجمہ (مسجد البیعہ ...... یہ مسجد منا کی گھاٹی کے قریب ہے اتنا کہ اس کا اور گھاٹی کا فاصلہ پتھر پھینکنے کی زد یا اس سے کچھ زیادہ ہے اور یہ منا کو جانے والے کے بائیں ہاتھ پر ہے۔ یہ مسجد ۱۴۴ھ میں بنی اور پھر ۶۲۹ھ میں مستنصر باللہ عباسی نے تعمیر کی۔ پہلی تعمیر منصور کے زمانے کی ہے۔)

غرض یہ عقبہ ایسا ہے کہ پچیس پچاس آدمی وہاں رہیں تو منا آنے جانے والے اُسے محسوس بھی نہیں کرتے۔ مدینے کے پانچ چھے آدمیوں سے آنحضرت کی یہیں ملاقات ہوئی۔ یہ واضح نہیں کہ آیا یہ چھوٹی سی جماعت یہیں اپنا خیمہ لگاکر مقیم تھی یا کسی وجہ سے اس ملاقات کے وقت اس عقبہ میں آئی ہوئی تھی۔ اس جماعت نے اسلام اور توحید کی دعوت سُنی تو شوق سے گفتگو کی اور ہر طرح امداد کا وعدہ کیا (ابن ہشام صہ ۲۸۶ و مابعد)

اس جماعت کے اوروں سے اس ذہنی فرق کا باعث معلوم کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ اصل میں یہ مدینے والے قبیلۂ خزرج کے لوگ تھے۔ آنحضرت کی والدہ کا اسی قبیلے سے رشتہ[۱] تھا، چنانچہ اس تقریب سے بچپن میں آنحضرت بھی ایک[۲] مرتبہ اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ ہو آئے تھے، اور اتنے دن رہے تھے کہ وہاں اچھی طرح تیرنا بھی سیکھ لیا تھا۔[۳] آنحضرت کے چچا اور رفیق حضرت عباس بھی جب کبھی کاروبار کے سلسلے میں شام وغیرہ جاتے یا وہاں سے آتے تو راستے میں ضرور مدینے میں ٹھہرتے اور ان رشتہ داروں سے ملتے[۴]۔ ان لوگوں کی مدینے کے بعض یہودی قبائل سے حلیفی اور بعض سے حریفی تھی، اور یہ ان یہودیوں سے اکثر سنا کرتے تھے کہ جب مسیح موعود آئے گا تو ہم اُس کی مدد سے اپنے تمام دشمنوں کو مغلوب کریں گے[۵]۔ نوفل اور عبدالمطلب کے جھگڑے کے وقت یہ لوگ آنحضرت کے دادا کی فوجی مدد بھی کرچکے تھے[۶] اس لئے ممکن ہے کہ اب آنحضرت کے خاندان کی مدد کی وہ توقع رکھتے ہوں۔ بہر حال اُن کی ذاتی صلاحیت کے ساتھ ساتھ اُن کے اسلام لانے میں یہ محرکات بھی کام کرتے رہے ہوں گے۔

مدینے میں دو رشتہ دار قبائل اوس و خزرج میں نسلوں سے خونریزیاں ہوتی چلی آرہی تھیں اور اب دونوں اس قدر تھک گئے تھے کہ کسی بھی قیمت پر باہم دوستی کرلینے پر آمادہ[۷] تھے۔ ان کی

---

[۱] ابن ہشام صہ ۱۰۷ [۲] سیرۃ الشامی احسنت العوم فی بئر بنی عدی بن النجار" (میں قبیلہ عدی بن النجار کے کنوئیں میں اچھا تیرنا سیکھ گیا)
[۳] ابن ہشام صہ ۲۹۴ - [۴] ابن ہشام صہ ۲۸۶ [۵] طبری تاریخ صہ ۱۰۸۱ تا ۸۶ - [۶] ابن ہشام ص ۲۸۷

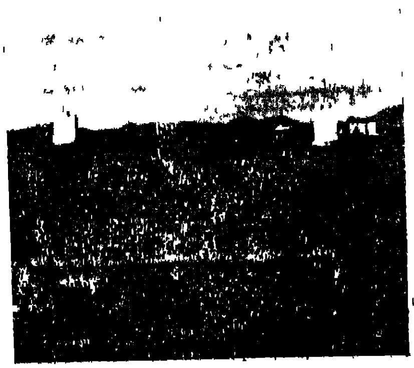
خودداری اور غیرت ورقابت کے باعث کسی غیر مدنی کے لئے دونوں کا مشترکہ سردار بننے کی زیادہ توقع تھی۔ جب مذکورہ چھے[1] خزرجی مدینہ واپس آئے اور اسلام کا چرچا کیا تو سال بھر بعد حج کے موقع پر اَوس اور خزرج دونوں کے دس بارہ آدمی آنحضرت سے ملنے کی ٹھان چکے تھے۔ چنانچہ پھر اسی عقبہ میں ان کی آنحضرت سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ اپنے اپنے خاندان کے بھی اسلام اور آنحضرت کی اطاعت کا اظہار کیا۔ آنحضرت نے ان سے علاوہ توحید، پاکبازی وغیرہ کے ہر اچھی بات (معروف) میں اپنی اطاعت کا وعدہ لیا[2]، اور اس طرح اَوس اور خزرج کے بارہ خاندانوں کے مشترکہ سردار بن گئے۔ ایک تربیت یافتہ مبلغ کے سے ان کے ہمراہ مدینہ بھیجا گیا[3] اور اُس نے نہ صرف اَوس وخزرج کے متعدد سربرآوردہ لوگوں کو اسلام کا حامی بنایا بلکہ اس بات میں بھی بدقت مگر مکمل کامیابی حاصل کی کہ اَوس وخزرج کی باہمی رقابت اس بات میں مانع نہ آئے کہ یہ دونوں گروہ آنحضرت کی مشترکہ سرداری میں تعاون کریں۔

ایک اور سال گزرا اور سنہ[4] میں مدینے کے کوئی پانچ سو حجاج میں سے کوئی بہتر مرد اور عورتیں آنحضرت سے شخصی طور پر اظہار اسلام کرنے اور آپ کو مدینہ مدعو کرنے کے لئے آئیں۔ ابھی تک اسلام وہاں اقلیت کا مذہب تھا ورنہ اکثریت قریش سے دوستی بڑھانے کی فکر میں تھی۔ نو دس بجے رات کا عمل تھا کہ یہ بہتر[5] لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں چپکے چپکے اپنے پڑاؤ سے نکل کر عقبہ میں جمع ہوتے گئے اور آنحضرت بھی مقررہ وقت پر اپنے چچا حضرت عباس کے ساتھ وہاں آگئے۔ آنحضرت نے تفصیل کے ساتھ ان کو اپنی تحریک کے اغراض ومقاصد سمجھائے۔ انھوں نے آمنّا وصدّقنا کہا اور آنحضرت اور دیگر مکی مسلمانوں[6] کو مدینہ چلے آنے کی دعوت دی اور یقین دلایا کہ مدینہ آئیں تو "ہم آپ کی ایسی ہی مدد اور حفاظت کریں گے جیسی کوئی اپنی اور اپنے بال بچوں کی کرتا ہے"۔ جب انھیں واضح کیا گیا کہ شاید انھیں خدا کی ساری خدائی سے لڑائی کرنی پڑے[7] تو بھی وہ پیچھے نہ ہٹے اور یقین دلایا کہ ہم اپنی بات سے کبھی نہیں پلٹیں گے۔ آنحضرت نے سب سے ہاتھ ملایا اور کہا میں بھی اب تمہارا ہوں، تمہاری جنگ میری جنگ ہوگی اور تمہاری صلح میری صلح[8]۔

یہ وہ مشہور بیعتِ عقبہ ہے جس نے اسلام کی سیاسی زندگی کا سنگِ بنیاد رکھا، اور ظاہر ہے کہ جب قریش کو اس کی اطلاع ہوئی تو سخت چیں بہ جبیں ہوئے اور اسے براہ راست اپنے خلاف جتھا بندی

---

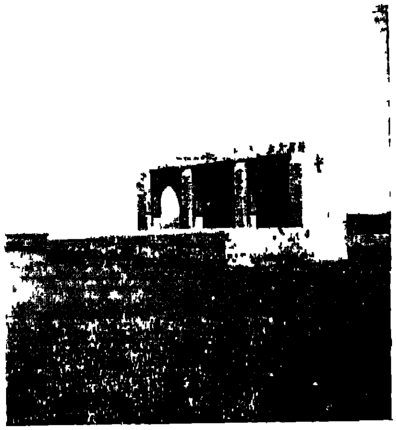
[1] ابن ہشام ص ۳۰۵ نیز مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۳۲۲ - [2] ابن ہشام ص ۲۸۹ - [3] تفسیر طبری ج ۹ ص ۱۶۳ [4] ابن ہشام ص ۲۹۷



۱/۱ حدود حرم بہ سمت حدیبیہ



۱/۲ قریہ شمیسی اور میدان حدیبیہ



۱/۳ مسجد شجرہ (حدیبیہ)
جہاں بیعت تحت الشجرہ ہوئی تھی



۱/۴ مسجد عقبہ جہاں ہجرت سے پہلے
بیعت ہائے عقبہ ہوئی تھیں

ت
۱



غار حرا جس میں پہلی وحی نازل ہوئی تھی

ب
۲



غار ثور جہاں ہجرت کے وقت
ثانی اثنین اذھما فی الغار کا واقعہ پیش آیا تھا

خیال کیا۔ جب اُنھوں نے آنحضرت کے قتل کا ارادہ کیا تو یہ تمام دوستی یا رواداری کا اختتام اور کھُلا اعلانِ جنگ تھا۔

آنحضرت نے پہلے اپنے ساتھیوں اور مکّے کے عام مسلمانوں کو مدینہ بھیج دیا، اور تین ہی ماہ بعد عین اُس وقت جب آپ کی جان کے خلاف ایک سخت خطرناک اور زبردست سازش کی گئی تھی[1]، مکّے سے نکلتے، غارِ ثور میں چھُپتے (دیکھیئے تصویر ۲) عام راستے سے بچتے اور پہاڑوں اور وادیوں سے ہوتے ہوئے مدینے کی جنوبی آبادی قُبا پہنچتے ہیں۔ مکّے سے آپ کے لاپتہ ہونے کی خبر مدینہ پہونچ گئی تھی اور سب سمجھ گئے کہ آپ مدینہ آ رہے ہیں۔ بڑی بے تابیوں اور انتظار کشیوں کے بعد ایک دن دوپہر کے قریب دو اونٹوں کا ایک مختصر قافلہ جس میں آنحضرت اور آپ کے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق اور ایک غلام اور ایک رہبر تھا قبا پہنچا۔ دُور سے نظر پڑتے ہی منٹوں میں اَوس و خَزرج کے تمام مرد ہتھیار سے سج کر اپنی بستی سے ایک یا ڈیڑھ فرلانگ بڑھکر ثنیۃ الوداع کی ٹیکری پر اعزازی دستے کے طور پر راستے کے دونوں طرف جمع ہوگئے (تصویر ۳)۔ لڑکیاں دف بجانے لگیں اور لڑکوں کے ساتھ یہ استقبالی گیت گانے لگیں

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا   مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا   مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ
أَیُّھَا الْمَبْعُوثُ فِینَا   جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ   (تاریخ ذہبی)

(ترجمہ (۱) چودھویں رات کا چاند ہم پر ثنیۃ الوداع سے طلوع ہوا۔ (۲) ہم پر اُس وقت تک شکر واجب ہے جب تک کہ کوئی عابد خدا کی عبادت کرتا رہے۔ (۳) اے وہ جسے ہمارے پاس بھیجا گیا ہے، تو ایسی چیز لایا ہے جس کی اطاعت کی جائیگی۔)

بعض عرب مورّخ لکھتے ہیں کہ مدینہ آتے وقت راستے میں بُریدۃ السہمی نے اپنے کئی درجن ساتھیوں کے ساتھ آنحضرت سے ملاقات کی اور جھنڈے اُڑاتے ہوئے ہم رکاب ہوکر محافظ دستے کا فریضہ انجام دیا[2] لیکن حیرت ہے کہ مدینہ (قبا) پہنچنے کی جتنی تفصیلیں ملتی ہیں اُن میں اس اعزازی محافظ دستے کی ہمراہی کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ یا تو آنحضرت نے اُنھیں تھوڑی دُور ساتھ رکھکر رخصت کر دیا ہوگا۔ یا یہ قبا میں ملے ہوں گے اور قبا سے مدینہ جاتے وقت ساتھ گئے ہونگے۔ ادھر قریش آنحضرت کے بچ نکلنے پر سخت جھنجھلائے اور کچھ نہ سوجھا تو

---

[1] ابن ہشام ص۳۳۳ وما بعد   [2] سیرۃ شامی از زبیر بن بکار۔

آپ کی اور دیگر مہاجرین کی جائدادیں ضبط کرلیں۔ (صحیح بخاری کتاب ۶۴ باب ۴۸ حدیث ۳ ۔ سیرۃ ابن ہشام ص ۳۲۱ تا ۳۲۲ و ۳۳۹) اور باقی غریب مسلمانوں کو زیادہ ستانے لگے آنحضرت کا ضبط شدہ مکان وہ تھا جو آپ کو بی بی خدیجہ سے وراثت میں ملا تھا (مبسوط سرخسی ۱/۵)

اب عمل کا اصل کٹھن وقت آیا۔ آنحضرت نے ایک طرف مہاجرین مکہ اور انصارِ مدینہ میں بھائی چارہ قائم کرا کے بے گھروں کو ٹھکانا مہیا کیا[1]، اور اصول یہ قرار دیا کہ جن مہاجر اور انصاری میں بھائی چارہ ہو وہ باہم وارث بھی ہوں[2] اور مل کر رہیں۔ پھر اپنے اور اپنے جملہ متبعین کے حقوق و فرائض مرتب کر کے ان کو تحریر کی صورت دی[3] اس کے بعد مدینے میں رہنے والے یہودی قبائل سے بھی جنگی اور سیاسی حلیفی کی اور انھیں بھی اس پر آمادہ کیا کہ وہ آپ کو اپنا مشترکہ حاکم مانیں[4]۔ مدنی عربوں کی طرح مدنی یہودیوں میں بھی دو رقیب و حریف پارٹیاں تھیں، اور آنحضرت کی مشترکہ سرداری ان میں امن قائم کرانے کا باعث ہونے سے انھیں ناگوار بھی نہ تھی۔ یہودیوں کے یہ معاہدے بھی تحریر میں آئے اور ان تمام دستاویزات نے ایک مشترکہ "صحیفہ" کی صورت اختیار کی جسے "شہری مملکتِ مدینہ کا دستور" کہنا (جیسا کہ ولہاوزن[5] نے کہا ہے) بیجا نہیں۔ خوش قسمتی سے دنیا کے اس سب سے پہلے تحریری دستور کو تاریخ نے لفظ بہ لفظ محفوظ رکھا ہے[6]۔ اس دستور کے ذریعے سے شہر مدینہ ایک حَرَم اور ایک سیاسی وحدت یا ایک شہری مملکت قرار دیا گیا۔

اصطلاح "حرم" کے سلسلے میں شاید یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ یہ ایک نیم مذہبی نیم سیاسی مفہوم رکھتی ہے اور اس کا رواج اسلام کے پہلے ہی سے نہ صرف عرب کے مختلف مقامات پر بلکہ فلسطین اور یونان وغیرہ میں بھی ملتا ہے۔ اس کا مذہبی مفہوم یہ تھا کہ وہاں کی ہر چیز کو ایک تقدس حاصل رہے، وہاں کے چرند و پرند کا شکار نہ کیا جائے، وہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں اور وہاں خونریزی نہ کی جائے اور وہاں آنے والوں کو دورانِ قیام میں امن اور پناہ میں سمجھا جائے خواہ وہ مجرم ہی کیوں نہ ہوں۔ حَرَم کا سیاسی مفہوم یہ تھا کہ وہ اس شہری مملکت کے حدود کا تعین کرتا تھا۔ (میں نے ایک مستقل مقالے میں تفصیل سے شہری مملکت مکہ کے سیاسی نظام پر جو زمانۂ جاہلیت میں تھا بحث کی ہے[7]) مکے کے حدودِ حرم کہتے ہیں کہ عہدِ ابراہیمی سے چلے آتے ہیں۔ بہرحال زمانۂ جاہلیت میں ان کا پتہ چلتا ہے اور فتح مکہ پر ۸ھ میں آنحضرت نے ان علاماتِ سرحد کی تجدید

---

[1] ابن ہشام ص ۳۴۴ [2] دیکھو کسی تفسیر میں آیت "اولوا الارحام" (۸: ۷۵) [3] ابن ہشام ص ۳۴۱ تا ۳۴۴ نیز مجلہ طیلسانین ۱۹۳۹ء "دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور مملکت" نیز کتاب الاموال (لابی عبید) [4] ابن ہشام ص ۳۴۱ تا ۳۴۴ نیز مجلۂ طیلسانین ۱۹۳۹ء "دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور مملکت"۔ [5] Wellhausen, "Gemeindeordnung von Medina" [6] حوالۂ بالا۔ مجلہ دیگر حوالے مجلۂ طیلسانین کے مذکورہ بالا مضمون میں ہیں۔ رسالہ برہان دہلی ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۲ء میں بھی اس پر تفصیلی بحث آئی ہے [7] رسالہ اسلامک کلچر ۱۹۳۸ء معارف اعظم گڑھ ۱۹۴۲ء

والبیداء هی التی اذا دخل الحجاج بعد الاحرام من ذی الحلیفة
استقبلوها مصعدین الی جهة الغرب"۔

(ترجمہ) کعب بن مالک سے مروی ہے، کہا کہ مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا کہ حرم مدینہ کی بلندیوں پر عَلَم (یا منارے) تعمیر کروں۔ چنانچہ میں نے ذات الجیش کے ٹیلوں پر عَلَم تعمیر کئے اور مشیرب پر اور مخیض کے ٹیلوں پر اور حفیا پر اور ذی العشیرہ پر اور تیم پر۔
ذات الجیش تو حفیرہ کی پہاڑی کے کنارے ہے جو مکے اور مدینے کے راستے پر ہے۔ مشیرب تو ذات الجیش کے شمال میں پہاڑوں میں ہے، اور اس کے اور خلائق کے مابین فنیوء واقع ہے۔ مخیض کے ٹیلے تو شام کے راستے میں مخیض کے پہاڑوں میں ہیں۔ حفیا تو غابہ (جنگل) میں ہے جو مدینہ کے شمال میں ہے۔ ذوالعشیرہ تو حفیاء کے کنارے ہے، اور تیم ایک پہاڑ ہے جو مدینے کے مشرق میں ہے۔

یہ سب تقریبًا ایک منزل طویل اور ایک منزل عریض ہوتا ہے ..... ذات الجیش تو بیداء کے وسط میں ہے، اور بیداء وہ مقام ہے کہ حاجی احرام باندھ کر ذوالحلیفہ سے آگے بڑھیں تو بلندی پر چڑھتے وقت مغرب کی جانب اس مقام میں داخل ہوتے ہیں۔

مدینہ منورہ کے مشہور سیاح اور وہاں کے کتب خانۂ شیخ الاسلام عارف حکمت بے کے مہتمم ابراہیم حماری قرلوطلی کا مجھ سے بیان تھا کہ مدینے کے مشرق میں ان حدودِ حرم کے کھنڈر اب تک موجود ہیں اور پائے سے کوئی ہاتھ بھر اونچے باقی ہیں۔ چونکہ عہد نبوی کے بعد ان حدود حرم مدینہ کی تجدید کا کہیں پتہ نہیں چلتا، اس لئے جبل تیم کے یہ آثار خاص عہد نبوی کی متبرک تعمیر معلوم ہوتے ہیں۔

اس ایک حد تک غیر متعلق بحث کے بعد، جیسا کہ بیان کیا گیا، مدینہ آنے پر آنحضرت کا پہلا کام ایک شہری مملکت کی بنیاد ڈالنا تھا۔ ادھر سے فراغت ہوئی تو آنحضرت نے آس پاس کے علاقے پر توجہ مبذول کی۔ عرب کے نقشے پر نظر ڈالیں تو واضح ہوتا ہے کہ مکے والے خشکی کی راہ اگر شام یا مصر جانا چاہتے تو مدینے کے قریب سے ساحل کے کنارے کنارے گزرنا پڑتا ہے۔ اگر مدینے سے ینبوع تک بسنے والے قبائل اور آبادیوں کو ہمنوا کر لیا جائے تو مکے والوں کے قافلے کا ادھر سے گزرنا بڑی آسانی سے خطرناک کر دیا جا سکتا ہے۔ ان قبائل سے انصار کی پہلے ہی سے حلیفی تھی۔ اب آنحضرت نے اس کی تجدید

بھی کرائی تھی[1] جس کی حسب ضرورت اب تک برابر تجدید ہوتی چلی آ رہی ہے (تصویر ۱ نقشہ نمبر ۲)

زیر ذکر دستور مملکت مدینہ میں مدینے کو بھی ایک حَرَم قرار دیا گیا ہے (نقشہ ۱ ب) (سنہ ۹ھ میں طائف نے اطاعت کی تو طائف کو بھی حَرَم تسلیم کیا گیا جیسا کہ اُس کے معاہدے میں[2] صراحت اور تفصیل سے لکھا ہوا ملتا ہے) لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مدینے میں بھی حدودِ حَرَم مقرر کئے گئے۔ صحیح بخاری[3] میں اتنا ذکر ہے کہ آنحضرت نے ایک صحابی کو روانہ کیا تھا تاکہ حرم مدینہ کے حدود پر ستون نصب کریں۔ عام تاریخیں اور کتبِ حدیث میں حرم مدینہ "ما بین لابتین" اور "ما بین ثَوْرٍ و عَیر" بیان کیا گیا ہے[4]۔ "لابۃ" ان سنگلاخ میدانوں کو کہتے ہیں جہاں آتش فشاں پہاڑوں سے نکلا ہوا لاوہ پتھروں کی صورت میں پھیلا ہوا ہو۔ اور "حَرّہ" اُس میدان کو کہتے ہیں جہاں کے پتھر لاوے سے جل گئے ہوں۔ مدینہ منورہ کے سلسلے میں کبھی ایک لفظ آتا ہے، کبھی دوسرا لفظ۔ ایسے میدان شہر مدینہ کے مشرق اور مغرب دونوں طرف شمالاً جنوباً ملتے ہیں۔ ثور ایک ایک پہاڑ ہے جو مدینے کے شمال میں جبلِ اُحد سے بھی کچھ پرے واقع ہے اور جبل عیر مدینے کے جنوب میں ایک بڑا پہاڑ ہے۔ المَطَری نے (جن کی وفات آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں ہوئی) شہر مدینے کی جو نہایت اہم تاریخ (التعریف بما آنسَت الهجرة من معالم دار الهجرة) لکھی ہے اور جو جملہ متاخرین کا ماخذ ہے، اُس میں خوش قسمتی سے اس کی مزید تفصیل ملتی ہے، جو یہ ہے:۔

"عن كعب بن مالك قال بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم أُعلم على أشراف حرم المدينة فأعلمتُ على أشراف ذات الجيش وعلى مشيرب وعلى أشراف مخيض وعلى الحفيّاء وعلى ذي العشيرة وعلى تيم. فأمّا ذات الجيش فنقب ثنية الحفيرة من طريق مكة والمدينة وأما مشيرب فما بين جبال في شامي ذات الجيش، بينها وبين خلايق الضبوعة. وأما أشراف مخيض فجبال مخيض من طريق الشام وأما الحفياء فبا لغابة من شامي المدينة وأما ذو العشيرة فنقب في الحفياء وأما تيم فجبل في شرقي المدينة وذلك كله يشتبه ان يكون بريدا في بريد.... ذات الجيش في وسط البيداء

---

[1] مرآۃ الحرمین جلد اول، بر موقع

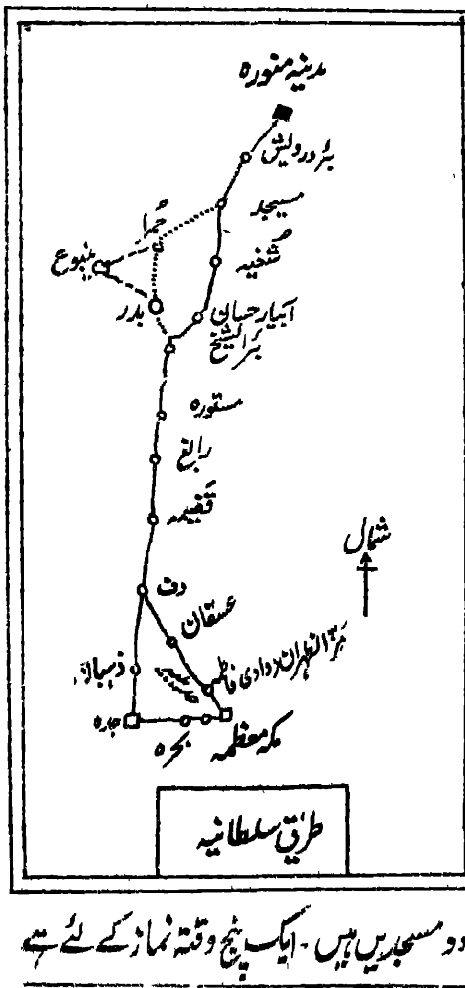
[2] ابو عبید کی کتاب الاموال ص۵۰۶ میں معاہدے کا پورا متن ہے۔

[3] صحیح بخاری بر موقع۔

[4] المطری (التعریف بما انست الہجرۃ من معالم دار الہجرۃ) بر موقع نیز بخاری جہاد ۷۴ و فضائل المدینہ وغیرہ (بخاری میں عیر کی جگہ عائر بھی لکھا ہے)

اونٹوں کے قافلے معمولی بات تھی تو لازمی طور پر پانی اور پڑاؤ کی ضرورتوں نے بعض منزلوں کو بدلنے پر مجبور کیا اور ترکی زمانے کا "طریق سلطانیہ" وجود میں آیا، آج کل یہی اختیار کیا جاتا ہے۔ سعودی دور میں موٹریں بھی آگئی ہیں۔ ان کے راستے کی ضرورتیں اور ہی ہیں۔ اسی طرح سفرِ صلح حدیبیہ کا راستہ الگ تھا غزوۂ فتح مکہ میں قریش کو خبر نہ ہونے دینے کے لئے ایک بالکل اور ہی راستہ اختیار کیا گیا تھا۔ اور سفرِ حجۃ الوداع کا ایک اور، جن کی تفصیلیں ابن ہشام وغیرہ میں ملتی ہیں۔

بدر کو اب تک موٹر نہیں جا سکتی ہے، کیونکہ راستہ میں کئی جگہ متعدد بلند گھاٹیاں ہیں اور بہت نرم ریت ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاص انتظام کے بغیر مکے اور مدینے کے مابین اونٹوں کے سفر پر بھی بدر پر سے نہیں گزر سکتے۔



مدینے سے آنے والے مسیجد[۱] (تصویر ۲) پر طریق سلطانیہ چھوڑ دیتے ہیں اور قصبۂ خیف (تصویر ۳) سے گزر کر حمراء (تصویر ۴) میں منزل کرتے ہیں پھر قصبۂ حصکفیہ سے گزر کر بدر پہنچتے ہیں۔ اس کے برخلاف مکے سے جانے والے بئر الشیخ پر سے کسی قدر آگے درب الہجرہ پر طریق سلطانیہ چھوڑتے ہیں، اور صبح نکلیں تو شام تک بدر پہنچ جاتے ہیں۔ بدر سے مدینے تک کا راستہ بہت سرسبز ہے، میلوں لمبے نخلستان ملتے ہیں، راستے میں خاصکر بدر و حمراء کے مابین گھنے جنگل بھی ہیں، پانی بھی میٹھا ہے، اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے گلے بھی ہر جگہ چرتے نظر آتے ہیں۔

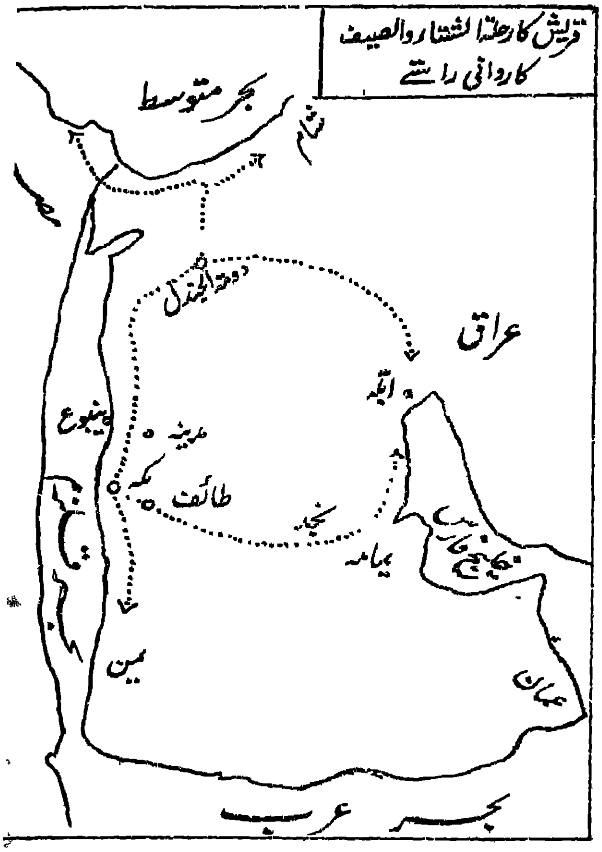
موجودہ شہر بدر

شہر بدر کی تاریخ سے یہاں بحث نہیں ہے۔ آجکل یہ ایک بہت بڑا گاؤں ہے۔ کئی سو پختہ مکان پتھر کے بنے ہوئے ہیں جن کو مقامی اصطلاح میں قصر (جمع قصور) کہتے ہیں۔ شہر میں دو مسجدیں ہیں۔ ایک پنج وقتہ نماز کے لئے ہے

---

[۱] اس مقام پر چند سال ہوئے مسلمانانِ حیدرآباد کے چندے سے نواب نظامت جنگ نے چند کمرے تعمیر کرائے ہیں جو سرائے کا کام دیتے ہیں۔ تصویر میں سفید عمارتیں اسی کی ہیں۔

بجا ہے



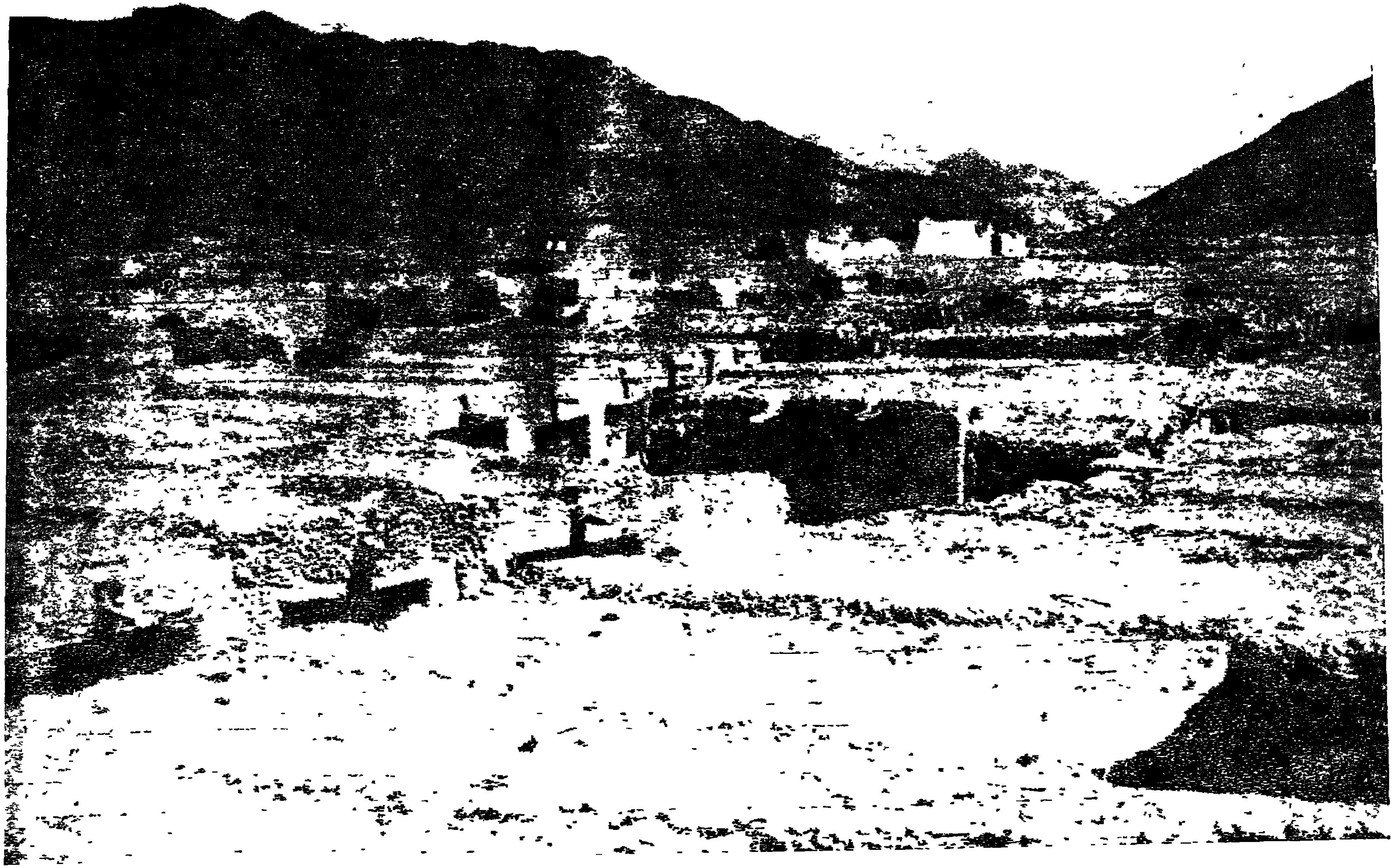
کی اور اس میں جنگی امداد کی دفعہ بھی بڑھائی[1] اس تنظیم اور خاموش تیاری میں کئی مہینے لگ گئے۔ اس کے بعد مدینے سے چھوٹی چھوٹی جماعتیں بھیجکر قریشی کاروانوں کو ہراساں کیا جاسکے[2] اور ان کو یہ بتایا جانے لگا کہ اب انھیں اس اسلام کے زیر اثر علاقے سے گزرنا ہے تو سردار مدینہ[3] کی اجازت کی ضرورت ہے۔ قریش نے زور دکھانا اور قوت کے ذریعے سے اپنا راستہ بنانا چاہا۔ اسی کشمکش نے ان خونریزیوں اور لڑائیوں کی صورت اختیار کی جن کے ایک خاص پہلو یعنی "میدان ہائے جنگ" پر آج یہاں روشنی ڈالنی مقصود ہے۔

بدر

(دیکھیے تصاویر ۱-۴، ۱، ۱-۶ نقشہ ۱)

محلِ وقوع چونکہ حجاز یعنی عرب کے مغربی علاقے میں پہاڑیاں ہی پہاڑیاں ہیں اس لئے وادیاں اور گھاٹیاں ہی آنے جانے کا راستہ ہیں۔ کاروانی راستہ عموماً چوڑی وادیوں سے گزرتا ہے۔ گھاٹیوں کا راستہ زیادہ دشوار گزار ہے۔ غرض کسی جگہ جانے کے یہاں ایک سے زیادہ راستے ہوتے ہیں۔ یہی حال بدر کا ہے۔ عہد نبوی اور اس سے پہلے مکے، مدینے اور بدر کا راستہ جن مقاموں یا منزلوں سے گزرتا تھا وہ اب بڑی حد تک بدل گیا ہے، کیونکہ جب سے اسلام آیا اور حج کو جانے والے ہزاروں سے گزر کر لاکھوں ہونے لگے اور ابھی پہلی جنگ عظیم سے پہلے دس دس پندرہ پندرہ

لہ ابن ہشام، ابن سعد وغیرہ میں یہ معاہدات ہیں تفصیل کے لئے دیکھیے میری کتاب مطبوعہ مصر ۱۹۴۰ء الوثائق السیاسیہ ۲ ابن سعد ج اق



$\frac{9}{1}$ حالیہ شہر بدر (ایک مسجد کے منارے پر سے ۔ درے کے سامنے کی سفید عمارت منہدمہ ترکی قلعہ ہے)

جس میں ایک منارہ یا اذاں دینے کا "ماذنہ" بھی ہے، دوسری مسجد جسے مسجد غمامہ اور مسجد عریش بھی کہتے ہیں، یہاں کی جامع مسجد ہے، یعنی اس میں جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے۔ یہ ایک نہایت اہم تاریخی مسجد ہے، کیونکہ یہ اس جگہ تعمیر ہوئی ہے جہاں غزوۂ بدر کے موقع پر جناب رسالت مآب کے لئے عریش یا جھونپڑی تیار کی گئی تھی۔ یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر واقع ہے جہاں سے میدانِ جنگ کو دیکھ سکتے ہوں گے، مگر آج کل باغوں اور کھجور کی اونچی پیڑوں کی وجہ سے وہاں سے بدر کا معرکۂ کارزار نہیں دیکھ سکتے۔ پانی کا چشمہ جو زمین دوز نہر کی صورت میں ہے، ان ہر دو مسجدوں کے صحن میں سے گزرتا اور وضو کے حوضوں کا کام دیتا ہے۔ آبادی سے ملا ہوا دُور تک کئی میل کے رقبے پر پھیلا ہوا نخلستان کا سلسلہ چلا گیا ہے جس میں کچھ ترکاری کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ ہر جمعہ کو یہاں ایک بازار لگتا ہے جس میں دُور دُور سے بدو آتے اور خرید و فروخت یا تبادلۂ اشیا کرتے ہیں۔ بدو عموماً گھی، کھالیں، روغنِ بلیساں، اونٹ، بکریاں اور اونی کمبلیں یا عبائیں فروخت کے لئے لاتے ہیں۔ قبلِ اسلام بدر میں سالانہ ہفتہ بھر ایک بڑا میلا لگتا تھا[1] اور غالباً یہاں ایک بڑا بت خانہ بھی تھا۔ اس کے آثار تو اب نہیں ہیں لیکن بیر الشیخ سے بدر کو جائیں تو بدر کے قریب، کوئی میل بھر پہلے، سڑک کے قریب ایک عجیب شکل کی چٹان ملتی ہے جو بالکل بیٹھے ہوئے اونٹ کی طرح نظر آتی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عرب ہر ایسی عجیب چیز کی پوجا شروع کر دیتے تھے۔ کوئی تعجب نہیں جو یہ بھی ایک بت رہا ہو (تصویر ۴)۔

بدر ایک بیضوی شکل کا میدان ہے۔ کوئی ساڑھے پانچ میل لمبا اور تقریباً چار میل چوڑا، اطراف بلند پہاڑ ہیں۔ مکہ، شام اور مدینہ جانے کے راستے جو وادیوں میں سے گزرتے ہیں یہیں ملتے ہیں۔ ترکی دور میں شریف عبدالمطلب نے اس میدان میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا تھا مگر اب وہ ٹوٹ پھوٹ گیا ہے۔ یہ میدان سنگلاخ یا ریتیلا ہے مگر جنوب مغربی حصے کی زمین نرم ہے۔ جنگِ بدر کے دن بارش ہوئی تھی تو یہ مقام، جہاں قریش کا پڑاؤ تھا، دلدل بن گیا تھا[2] مگر اب یہاں ایک سرسبز نخلستان ہے

بدر کے اطراف جو پہاڑ ہیں ان کے مختلف حصوں کے نام مختلف ہیں۔ ان میں سے دو دُور سے سفید ریت کے تودے نظر آتے ہیں۔ آج بھی ان سفید پہاڑیوں میں سے ایک کا نام العُدوۃ الدُنیا اور دوسری کا العُدوۃ القصویٰ ہے[3]۔ ان دونوں کے درمیان جو بہت اونچا پہاڑ ہے اُسے اب جبلِ اَسفَل کہتے ہیں۔ کیونکہ

---

[1] شامی کے الفاظ ہیں "تل مشرف علی المعرکۃ" [2] تاریخ طبری صفحہ ۱۳۰، ۱۳۶۰۔ [3] ابن ہشام صفحہ ۴۳۹۔

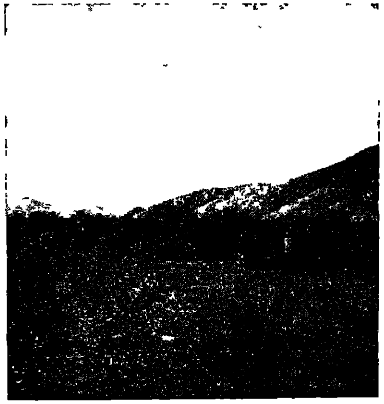
اس کے پیچھے دس بارہ میل پر سمندر ہے (تصویر نمبر ۳) اور ابوسفیان کا قافلہ راستہ کترا کر ساحل کے کنارے کنارے گزر گیا تھا تو قرآن میں اس کا ذکر " وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ " (کاروان تم سے نیچے تھا) کے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ بدر سے سمندر کی مسافت کے متعلق واقدی نے " ھی من الساحل علی بعض نہار " (وہ ساحل سے دن کے کچھ حصے پر واقع ہے) لکھا ہے جو چاہے موٹر کے لئے صحیح ہو لیکن اونٹ پر سفر کے لئے یقیناً ممکن نہیں، واقدی نے محض قیاس کیا ہوگا بجز اس کے کہ اب سمندر ہٹ گیا ہو۔

جنگ بدر کی چند تفصیلیں | ایک طرف تو قریش کا مسلمانوں پر ظلم توڑ کر انھیں جلاوطنی پر مجبور کرنا، جلاوطنی پر اُن کی جائدادوں کو ضبط کر لینا اور اُن کے نئے مسکن (حبشہ اور پھر مدینے) میں وہاں کے حکمرانوں اور بااثر لوگوں کو ان تارکین وطن کو پناہ نہ دینے کی ترغیب دینا، دوسری طرف ان ناانصافیوں کا بدلہ لینے کے لئے مدینہ سے مسلمانوں کا قریش پر معاشی دباؤ ڈالنا اور بزور قریشی قافلوں کی آمدورفت کو اپنے زیر اثر علاقے میں روک دینا ـــ یہی بدر کی لڑائی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ قریشی قافلوں کو لوٹ لینا، ڈاکہ اُس وقت سمجھا جائے جب یہ بے قصور ہوں اور لوٹنے والے حکومت نہیں بلکہ خانگی افراد ہوں۔ ورنہ دو سلطنتوں میں کشیدگی پر نہ صرف جان بلکہ مال و آبرو کے خلاف بھی ہر فریق دوسرے کو نقصان پہنچانے کا پورا حق رکھتا ہے۔

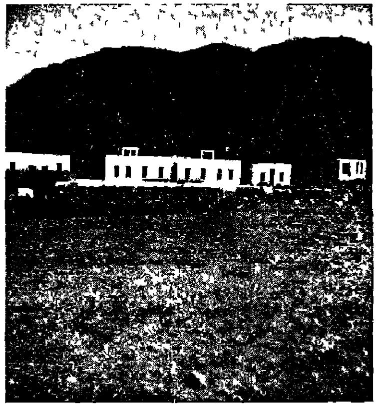
یہی وجہ ہے، میں ان لوگوں سے متفق نہیں ہوں جو قریشی قافلوں کو لوٹنے کے لئے بھیجی ہوئی مہموں کے وجود ہی سے انکار کرتے ہیں۔ شبلی مرحوم نے " كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ " کی آیت سے استدلال کرکے کم از کم جنگ بدر کی حد تک اپنی رائے کو مستحکم کر لیا ہے کہ آنحضرت قافلے کے روکنے کے لئے نہیں بلکہ قریشی امدادی دستے سے مقابلے کے لئے نکلے تھے۔ لیکن " إِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ " کی صریح آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینے سے چلتے وقت مسلمانوں کو یقین نہ تھا کہ آیا وہ قافلے سے ملیں گے یا امدادی دستے سے مٹ بھیڑ ہوگی۔ دونوں امکانات تھے چونکہ قریشی قافلہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل اور پانچ لاکھ درہم کا اسباب لیکر آرہا تھا اس لئے مدینہ والوں کو یقین تھا کہ اس کی مدد اور حفاظت کے لئے قریش اپنے تمام حلیفوں کی مدد سے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ مقابلہ

---

[1] کتاب المغازی مخطوطہ برٹش میوزیم ورق (۳۰ ب) [2] صحیح بخاری کتاب ۶۴ باب ۸ حدیث ۳ نیز ابن ہشام ص ۴۲۱ تا ۴۲۲ نیز ص ۴۲۹ مطبوعہ ص ۵۲۔ [3] تاریخ طبری ص ۱۲۹۳، سیرۃ ابن ہشام ص ۴۱۶ تا ۴۱۷، مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۱۹۵ [4] سیرۃ النبی جلد اول احوال جنگ بدر [5] "گویا انھیں موت کے منہ میں ڈھکیلا جا رہا ہے" [6] "جب اللہ تم سے دو میں سے ایک گروہ کا وعدہ کر رہا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ پڑیگا اور تمہاری تمنا یہ تھی کہ کمزور گروہ تمھیں ملے۔" [7] مغازی واقدی ورق (۵)



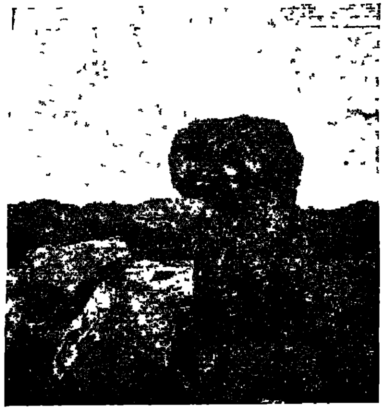
د/١ قریۂ حمراء (راستہ بدر)



د/٢ قریۂ مسیجد (راستہ بدر)



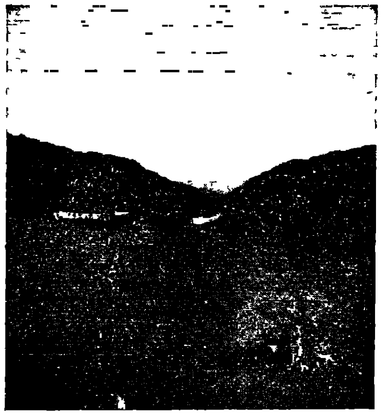
د/٣ قریۂ حیف (راستہ بدر)



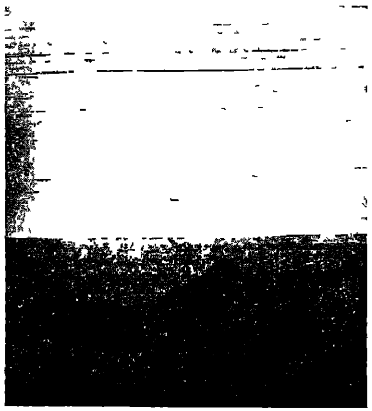
د/٤ بدر کے باہر اونٹ کے شکل کی قدرتی (چٹان جو غالباً جاہلیت میں پوجی جاتی تھی)



ز/١ شہر بدر کے چند مکان



ز/٢ [illegible]



ز/٣ بحر احمر جبل اسفل پر سے



ز/٤ چشمۂ بدر

اور کشمکش کریں گے۔ مدینے سے زیادہ دور مکے کی سمت جانا بہتوں کے لئے "موت کے منہ میں جانا" معلوم ہوتا تھا۔

اس شام سے آنے والے قافلے کو مسلمان مدینے کے شمال یا مغرب میں روک سکتے تھے لیکن شام سے اس کے نکلنے کی اطلاع موجودہ زمانہ نہیں کہ تار پر اسی دن مل جائے۔ اونٹوں کے قافلے کی اطلاع اونٹ سوار ہی دے سکتے تھے اور بمشکل دو ایک دن اول۔ مدینے سے ساحل کو سیدھا جانے میں دو تین دن ضرور لگ جاتے ہیں۔ ایک بڑا تجارتی قافلہ بے شبہ آہستہ آہستہ منزل بمنزل ہی جا سکتا ہے، اور یلغار کرنے والی فوج خاصکر دشوار گزار گھاٹیوں کی مدد سے تیز تر جا سکتی ہے۔ بدر ایسا مقام تھا جو ساحل سے بھی قریب تھا بڑا مقام ہونے کی وجہ سے قافلے وہیں سے گزرتے تھے[۱]۔ مدینے اور مکے کے راستے کا قریب ترین اتصال بھی وہیں ہوتا تھا اور اس کی توقع کی جا سکتی تھی کہ وہاں مسلمان اس قافلے کو جا لیں گے۔ سیدھے مغرب کی سمت ساحل کو جائیں تو قافلہ گزر چکتا، اور ہوا بھی یہی۔ یعنی آنحضرت ابو سفیان سے بمشکل چند گھنٹے قبل بدر پہنچتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ غیر معروف راستوں سے چکر لگا کر جانا تھا تاکہ حریف کو خبر نہ لگے[۲] آنحضرت راستے میں بھی ٹوہ لیتے گئے[۳] اور بدر کے قریب پہنچ کر متعدد سانڈنی سوار بھیجے[۴] تاکہ اس کا پتہ چلائیں کہ قافلہ کہاں ہے۔ جو سانڈنی سوار شمال مغرب میں شام کے راستے پر بھیجے گئے تھے، انھوں نے واپس آکر غالباً آنحضرت کو اطلاع دی ہوگی کہ قافلہ اب آیا ہی چاہتا ہے[۵]۔ اور اس اطلاع پر یہ گمان کر کے کہ قافلہ بدر میں سے گزرے گا آنحضرت عین راستے پر وادی کے داخلے کے پاس پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ یہ سفر پوری تنظیم سے ہوا تھا۔ مدینے میں ایک نائب کو چھوڑا گیا تھا۔ فوج میں انصار اور مہاجرین کے الگ الگ جھنڈے بھی تھے۔ فوج کے مختلف حصے بھی تھے۔ ساقہ یعنی پچھلے اہم دستے پر قیس المازنی (انصاری) کو مامور کیا گیا تھا[۶]۔

قافلے کو اطلاع مل گئی تھی کہ خود شام کو جاتے وقت[۷] مسلمانوں نے اس کا تعاقب کیا تھا[۸]۔ اس سے پہلے چھ سات[۹] اور قریشی قافلوں کو یہی تجربہ ہو چکا تھا، اسی لئے قافلہ چوکنا تھا۔ قافلے عموماً رات کو چلتے ہیں اور صبح کے قریب منزل پر پہنچ کر آرام کرتے ہیں۔ بدر کی خطرناک گھاٹی سے قریش واقف تھے۔ اسی لئے بدر پہنچنے سے کافی مسافت پہلے (اور شامی[۱۰] کے مطابق الخنیر کے موڑ پر) قافلہ رک جاتا ہے اور

---

[۱] طبری ص ۱۲۹۶ [۲] طبری ص ۱۳۰۲ [۳] ایضاً نیز ص ۱۲۹۹ [۴] و ص ۱۳۰۳ [۵] دو بدری لڑکیوں کی گفتگو تا پنج مدینہ پر (طبری ص ۱۳۰۵) [۶] طبری ص ۱۲۹۹ [۷] مغازی الواقدی ورق ۶ (ب) [۸] سیرۃ شامی احوال جنگ بدر۔

وجہ جو بھی ہوئی ہو، ابتداءً شام سے آنے والے قافلے کو روکنے کے لئے آنحضرت نے ایک موزوں جگہ پڑاؤ ڈالا، پھر وہیں مقیم رہے۔ جب قریش کی فوج کے آنے کی اطلاع ہوئی تو آنحضرت نے طے کیا کہ ان سے مقابلہ کرنا چاہیئے اگرچہ دشمن کی تعداد تقریباً تگنی تھی۔ اس وقت ہمراہی افسروں نے جو بدر کی جغرافیہ سے بہتر واقف تھے، مشورہ دیا کہ مکّے یعنی جنوب سے آنے والے دشمن کے مقابلے کے لئے پڑاؤ کو بدلنا مناسب ہوگا۔ پانی پر اپنی بہتر دسترس اور دشمن کو اس سے محروم کرنا خاص طور پر پیش نظر رکھا گیا[۱]۔ اسی طرح لڑائی چونکہ عموماً صبح کو شروع ہوتی تھی، اس لئے اس کا لحاظ رکھا گیا کہ دن چڑھے تو سورج آنکھوں پر نہ آئے[۲]۔

بدر کے پانی کے متعلق مورخوں نے جو تفصیلیں لکھی ہیں وہ کچھ زیادہ واضح نہیں ہیں۔ ممکن ہے گزشتہ ساڑھے تیرہ سو سال میں پانی کے بہاؤ اور سوتوں میں تبدیلی ہوئی ہو۔ بہرحال موجودہ حالت یہ دیکھی گئی کہ وہاں ایک چشمہ ہے، جسے ہم کاریز یا زمین دوز نہر کہہ سکتے ہیں، اس کا بہاؤ شہر سے جبل عریش اور نخلستان کی طرف ہے، اور مسجد عریش سے کوئی پندرہ بیس قدم پہلے پانی کا لیول پیدل راستے کے برابر ہے۔ مگر ظاہر ہے مسجد عریش ایک ٹیلے پر ہے اس لئے مسجد کے اندر اس کا منہ کافی گہرائی پر ہی کھولا جا سکتا ہے۔

غالباً آنحضرت نے قریش کے آنے پر العدوۃ الدنیا سے آگے بڑھ کر مسجد عریش کے قرب و جوار میں اس چشمے کے بہاؤ کے موقع پر پڑاؤ ڈالا اور متعدد حوض بنا کر اس بہتے پانی کو جنگ کے دن قریش پر روک دیا، کیونکہ ان کا پڑاؤ اور بھی نیچے العدوۃ القصویٰ پر تھا۔ متعدد بڑے حوضوں کے بغیر اس بہتے پانی کو زیادہ دیر تک روکا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

فریقین کی صف بندی

مسلمانوں کے پاس تین سو سے کچھ ہی زائد سپاہ تھی[۳]۔ دشمن کی تعداد مورخوں نے ساڑھے نو سو لکھی ہے۔ ایک بہتر "تعبیہ" (صف بندی) کے بغیر عام حالتوں میں مقابلہ زیادہ دیر تک نہیں جاری رہ سکتا تھا۔ امام ترمذی[۵] کے مطابق اسلامی فوج کی تقسیم لڑائی سے پہلے کی رات ہی کو عمل میں آ چکی تھی۔ لڑائی کے دن سویرے ہی آنحضرت نے مسلمانوں کو قطاروں میں تقسیم کیا۔ اور صف بندی کا جنگ سے پہلے تنقیدی نظر سے معاینہ کیا۔ آپ کے ہاتھ میں

۱؎ ابن ہشام ص۴۴۳ - ۲؎ مغازی الواقدی ورق (۱۵) ۳؎ طبری ص۱۲۹۵ و ص۱۳۰۴۔ ۴؎ ایضاً نیز ابن ہشام ص۴۳۳ - ۵؎ جامع الترمذی ابواب الجہاد۔

نصب ہوگا. کیونکہ اس میں بھی "کان الفراغ" کے الفاظ اب تک صاف پڑھے جاتے ہیں۔ ملوکوں کے کتبے کی عبارت میں نے یوں پڑھی ہے:۔

سطر اول۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

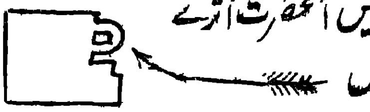
۲۔ انشا فی حصر ہذا المکان المبارک

۳۔ خُشقدم امیر عسرہ (؟ عشرۃ، عشیرۃ) بدیار المصریہ مشیدۃ العمارۃ السلطانیۃ

۴۔ وکان الفراغ من ہذا البنیۃ المبارک ربیع الاول احد وعشرین فی سنۃ ستۃ وتسعمایۃ۔

(ترجمہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس مبارک مقام پر چہار دیواری کی تعمیر کرنے کا آغاز خشقدم نے کیا جو سلطنت مصر میں امیر عشرہ اور سرکاری انجنیر تھا۔ اس مبارک عمارت کے بنانے سے ۲۱۔ ربیع الاول ۹۰۶ھ میں فراغت ہوئی)

شہدائے بدر کا مقبرہ بھی ایک ممتاز احاطے میں آج تک موجود ہے۔ ترکی دور میں وہاں سنگ مرمر کے ستون اور کتبے وغیرہ لگائے گئے تھے مگر اب یہ کھنڈر ہو چکے ہیں، اس کے قریب ہی بدر کے مزدور ایک چٹان بتاتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ اس عمودی غار میں آنحضرت اُترے تھے، مگر اس کی توجیہ مشکل ہے اور تاریخیں بھی اس سے ساکت ہیں



بدر کی مقامی روایتوں اور وہاں کے مزورین کے بیانوں کے مطابق لڑائی اسی جگہ ہوئی جہاں اب قبرستان واقع ہے۔ آنحضرت نے اپنی چھوٹی سی جمعیت کے لئے بھی رضاکار عورتیں مقرر کی تھیں جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں[1] سپاہیوں کو پانی پلاتیں، میدان میں گرے ہوئے دشمن کے تیروں کو جمع کر کے مسلم تیر اندازوں کو دینے کا خطرناک کام بھی کرتیں، غرض جتنا ہوتا ہاتھ بٹاتیں۔

لڑائی کے نتیجے سے سب واقف ہیں مسلمانوں کے کوئی ایک درجن سپاہی شہید ہوئے[2]۔ دشمن کے ستر آدمی کھیت رہے[3] اور اتنے ہی گرفتار ہوئے[4]، جو قید کر کے فوجی نگرانی میں غالباً پیدل مدینہ بھیجے گئے۔ ان کے ساتھ عام طور پر اچھا سلوک کیا گیا، جس کے پاس کپڑے نہ رہے تھے اُسے کپڑے دیے گئے۔

---

[1] بخاری ۶/۹۶ [2] ابن ہشام صـ ۵۰۶ [3] ایضاً صـ ۵۰۸ و مابعد [4] ایضاً صـ ۵۱۳ و مابعد

کا بھی ایک پہلوان آگے، آئے اور دونوں تنہا لڑیں[1]

آنحضرت نے اپنی صف بندی مکمل کی اور انتظام کی طرف سے مطمئن ہو کر اپنے "اسٹاف" کے ساتھ ایک ٹیلے پر چڑھ گئے جہاں سے میدان جنگ صاف نظر آتا تھا۔ (علی تل مشرف علی المعرکۃ)[2] اس ٹیلے پر آنحضرت کی اجازت سے ایک جھونپڑی (عریش) تیار کی گئی تھی جس کا منشا کچھ تو دھوپ کے وقت سپہ سالار کے لئے سایہ مقصود ہوگا، اور کچھ دشمن کے تیروں سے بچاؤ بھی پیش نظر ہوگا۔ یہاں چند تیز رفتار سانڈنیاں بھی متعین تھیں[3] یقیناً اپنی فوج کو ہدایات بھیجنے میں آنحضرت نے ان سے کام لیا ہوگا۔ ان سانڈنیوں کا منشا یہ بھی تھا کہ ضرورت پر آنحضرت ان پر مدینہ جاسکیں، اور عریش سے مدینے کا راستہ کھلا رکھا گیا تھا[3] نیز طبری کے مطابق عریش پر ایک محافظ دستے کا پہرہ بھی تھا[4]

اسی عریش یا جھونپڑی کی جگہ پر آج کل بطور یادگار ایک جامع مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ اس میں فی الوقت تین کتبے ہیں۔ ایک منبر کے اوپر، دوسرا محراب کی کمان کے اوپر قبلہ رخ دیوار میں نصب ہے۔ تیسرا محراب کے پاس الگ زمین پر پڑا ہوا تھا۔ مسجد کی دیواریں مٹی کی ہیں جن کے اندر ممکن ہے اینٹ ہو یا پتھر کا ہے۔ منبر کے اوپر جو کتبہ ہے اس میں مصر کے مملوک افسر خشقدم کا نام ملتا ہے۔ املا کی غلطیاں (ہذا المکان، کانل الفراغ وغیرہ) بھی انھیں عجمیوں نے کی ہوں گی۔ محراب کی کمان کے اوپر سنگ مرمر کا ایک چھوٹا سا کوئی آٹھ انچ مربع کتبہ ہے جو کچھ تو آرائشی خط میں طغری کی طرح لکھا ہوا ہونے اور کچھ قدامت کے باعث بہت کچھ گھس جانے سے مجھ سے پڑھا نہ گیا میری رائے میں یہ مملوکوں سے بھی پہلے کا ہے۔ تیسرا کتبہ جو نیچے پڑا ہوا ہے وہ بہت بد خط معمولی ریت کے پتھر پر لکھا ہوا اور غالباً حال کا ہے۔ اس کا زمین پر پڑا ہونا بتاتا ہے کہ مسجد کی موجودہ تعمیر بالکل جدید ہے اور دونوں نصب کئے ہوئے کتبے محض یادگار کے طور پر دیوار چنتے وقت لگا دیے گئے۔ یہ تیسرا کتبہ بھی اپنے زمانے میں کہیں

---

[1] ابن ہشام ص ۴۴۳ [2] سیرۃ شامی غزوۂ بدر۔ [3] ابن ہشام ص ۴۳۹ تا ۴۴۰۔ [4] طبری ص ۱۳۲۲

اور اپنی کمک وغیرہ کا راستہ بند کرلیا۔ جب میری کسی طرح تشفی نہ ہوئی تو مجبوراً میں اس نتیجے پر پہنچا کہ موجودہ اُحد وہ مقام نہیں ہے جہاں غزوۂ اُحد پیش آیا اور یہ کہ قدیم اُحد اصل میں مدینے کے جنوب میں قُبا کے قرب وجوار میں کسی جگہ واقع ہوگا۔ قدیم مورخین اور جغرافیہ نگاروں کا متفقہ بیان کہ اُحد مدینے کے شمال میں ہے اور حتیٰ کہ حضرت حمزہ کا مزار بھی میری تشفی نہ کرسکے۔

لیکن جب میں نے برسرِموقع مقامیاتی (ٹوپوگرافیکل) مطالعہ کیا تو وہ چیز سمجھ میں آگئی جو بیسیوں کتابوں کی سالہا سال ورق گردانی سے بھی نہ آئی تھی۔

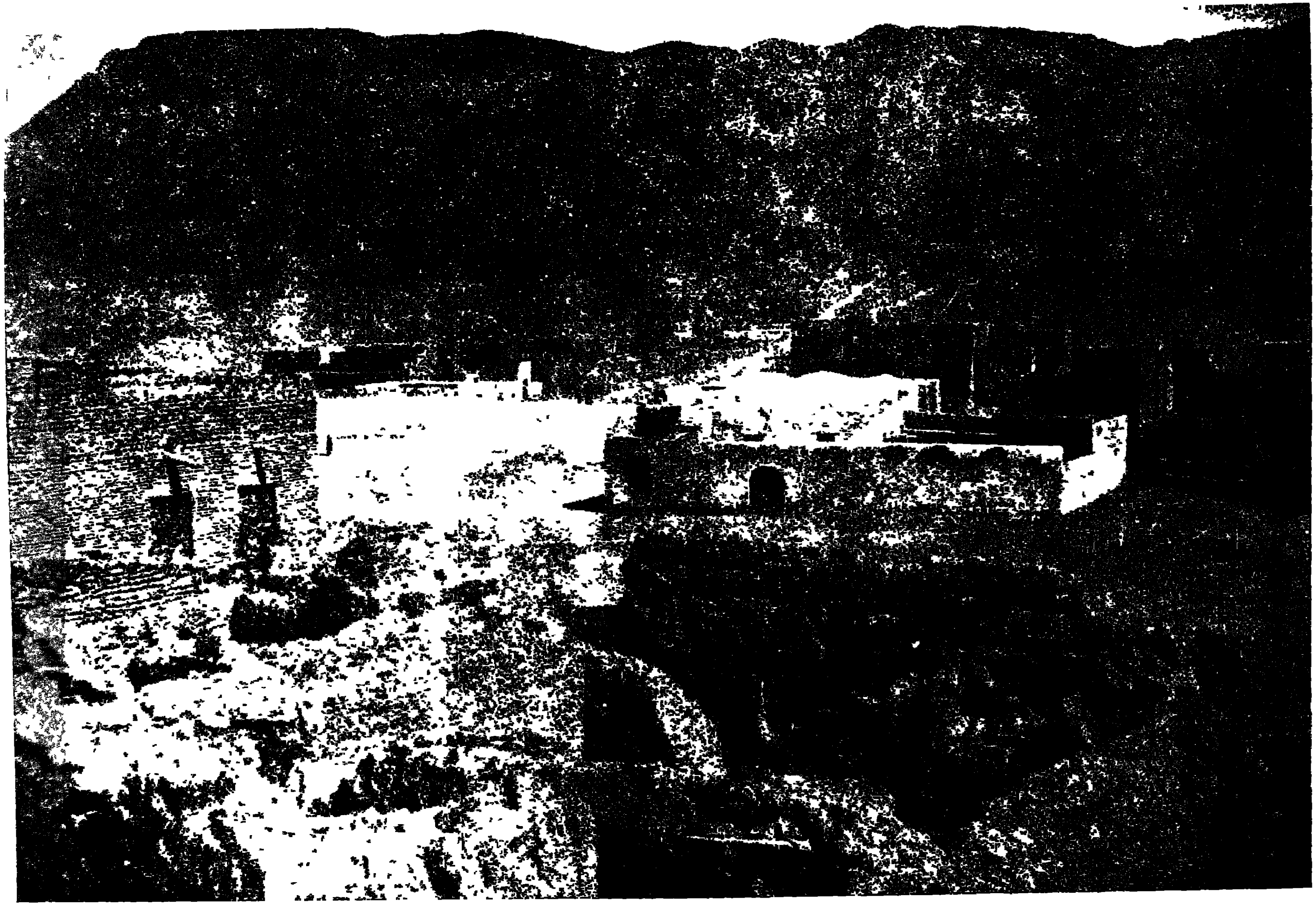
مدینہ ایک ایسے مقام پر آباد ہے جو دس ایک میل لمبے اور اتنے ہی چوڑے میدان پر مشتمل ہے۔ اسی میدان کو "جوفِ مدینہ" اور بعد میں "حرمِ مدینہ" کا نام دیا گیا۔ اس میدان کے اطراف ہر سمت میں اونچی اور ایک دوسرے سے متصل پہاڑیوں کا سلسلہ بڑی دور تک چلا گیا ہے اور آمدورفت تنگ وادیوں اور گھاٹیوں میں سے ہوتی ہے۔ جبل عیر اور جبل ثور سے محدود ہونے والا یہ میدان بالکل ہموار بھی نہیں ہے بلکہ بیچ میں سَلع کا پہاڑ اور متعدد دیگر چھوٹی پہاڑیاں واقع ہیں جن کو بڑی جنگی اہمیت حاصل ہے۔

عہدِ نبوی میں مدینہ کوئی اس طرح کا شہر نہ تھا جیسا کہ وہ آج کل ہے[1] یا جس طرح کے گنجان محلّوں کے مجموعوں کے ہم عادی ہیں۔ اس زمانے میں وہاں عرب اور یہودی قبیلے بستے تھے اور ہر قبیلے کا محلّہ یا گاؤں دوسرے سے الگ اور فرلانگ دو فرلانگ یا اس سے بھی زیادہ فاصلے پر واقع تھا۔ اس طرح کے گاؤوں کا سلسلہ جبل عَیر سے جبل ثور تک برابر پھیلا ہوا تھا۔

ان گاؤوں کی حالت یہ تھی کہ ان میں ایک یا زیادہ پانی کے کنویں ہوتے، رہائشی مکان پتھر کے بنے ہوئے اور عموماً دومنزلہ ہوتے۔ ہر گاؤں میں برج کی وضع کی مستحکم عمارتیں ہوتیں جن کو آطام اور آجام کہا جاتا۔ جنگ کے زمانے میں عورتیں، بچے، جانور اور دیگر اسباب ان میں منتقل کردیا جاتا۔ ایک زمانے میں ان آطام کی تعداد ایک سو سے زائد ہوگئی تھی[2]۔ ایک اور زمانے میں خاص ایک قبیلۂ بنی زید میں (۱۴) آطام تھے[2]۔ ان میں سے بعض بہت بڑے ہوتے تھے۔ چنانچہ اُحیحہ بن الجلاح کا اُطم الضحیان کتاب الاغانی[3] کے مطابق سہ منزلہ تھا۔ سب سے نیچے کی منزل لاوے کے سیاہ پتھروں سے تعمیر ہوئی تھی

---

[1] جیسا کہ متعدد مورخوں نے لکھا ہے [2] ایضاً۔ [3] آغانی ج ۱۳ صـ۱۲۴



میدان غزوہ احد اور جبل احد (جبل رماۃ پر سے)

ح/۱

اس سے اُوپر کے دُو درجے (نبرۃ) "چاندی کی طرح سفید پتھروں" سے بنائے گئے تھے اور یہ اطم اتنا اونچا تھا کہ اونٹ کی ایک دن کی مسافت سے اس کو دیکھ سکتے تھے ـــ قبا کے قریب اس اطم کے کھنڈرا ور اس کی سب سے نیچے کی منزل اب تک باقی ہیں اور مدینے کی دور جاہلیت کی حربی تعمیر کے مطالعے کا موقع دیتے ہیں (تصویر ۴)۔ ان آطام کے اندر اکثر پانی کے کنویں بھی ہوتے تھے، تاکہ محاصرے کے وقت کام دیں۔

ان منتشر اور دُور دُور بسے ہوئے محلّوں کے علاوہ مختلف افراد یا قبائل کے باغ تھے اور عموماً ان کا احاطہ پتھر کی دیوار سے بنایا جاتا تھا۔ یہ باغ آبادی کے اطراف چوطرف پھیلے ہوئے تھے۔

ان قبائلی آبادیوں میں سے ایک کا نام یثرب تھا اور یہ گاؤں اب تک باقی ہے۔ ممکن ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ سب سے اہم آبادی ہو اور اسی کی بنا پر پورے جوف مدینہ کے دیہات پر یثرب کا اطلاق ہوتا ہو جس کی نظیریں ہر ملک میں ملتی ہیں۔ مدینۃ النبی کا محلّہ؛ جہاں آنحضرت رہتے تھے، کم و بیش وسط میں واقع ہے۔ مکے والوں کو عام اہل مدینہ سے کوئی پرخاش نہ تھی۔ وہ صرف آنحضرت پر اپنا غصّہ اتارنا چاہتے تھے مسکن نبوی تک پہنچنے کے لیے جنوب میں گنجان باغ حائل تھے جن کے باعث لڑائی کا کوئی میدان نہ تھا جنوب مشرق میں قبا اور عوالی کی آبادیاں اور باغ تھے مشرق میں مسلسل یہودی محلّے تھے جو شمالاً جنوباً قبا سے لے کر تقریباً اُحد تک چلے گئے تھے۔ باغوں یا محلّوں کا سلسلہ جنوب مغرب اور مغرب میں بھی پھیلا ہوا تھا مگر نسبتہً کم گنجان تھا۔ مدینے کی موجودہ فصیل پر شمال میں باب الشامی کے پاس بنو ساعدہ رہتے تھے جن کا سقیفہ (تصویر ۴) اب تک موجود ہے اس سے آگے خود جبل سلع پر بنو حرام رہتے تھے۔ ان کا قبرستان اور سقیفہ بھی اب تک باقی ہیں شمال مغرب میں وادی العقیق کے کنارے بئر رومہ تک بہ کثرت باغ تھے۔ بئر رومہ مع اراضی تابعہ ابتداءً یہودیوں کے قبضے میں تھی[1]۔ شمالی حصہ البتہ کھلا ہوا تھا۔ چونا ملی ہوئی سفید چوڑی زمین کے باعث آج بھی وہاں زراعت نہیں ہو سکتی۔ اِدھر سے مدینۃ النبی کا راستہ کھلا ہوا بھی تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، مدینے کے جنوب میں بلند پہاڑیاں ہیں اور راستہ صرف وادیوں اور گھاٹیوں میں سے گزرتا ہے۔ عہد نبوی میں مدینے کو براہ راست جنوب سے آنے کے لیے قبا کی طرف ایک سخت دشوار گزار

---

[1] احادیث فضائل حضرت عثمانؓ میں بئر رومہ کی خریدی کا ذکر کسی بھی کتاب حدیث میں۔

راستہ تھا جو لاوے کے پتھروں سے اٹا ہوا ہونے کے باعث شاذ ہی اختیار کیا جاتا تھا۔ آنحضرت نے ہجرت کے وقت دشمن کے تعاقب کے خیال سے مصلحتاً یہی راستہ اختیار فرمایا تھا۔ کسی فوج کے لئے لاوے سے اَٹے ہوئے میدانوں میں سے گزرنا آدمی اور جانور دونوں کے لئے سخت تکلیف دہ ہے اور دوپہر کو ان پتھروں کے گرم ہو جانے کے باعث وہاں پڑاؤ ڈالنا بھی کم پسند کیا جا سکتا ہے۔ مدینے کے مشرق اور مغرب دونوں طرف شمالاً جنوباً لاوے کے یہ میدان پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کو "لابہ" اور "حرّہ" کہا جاتا ہے۔ ان حرّوں میں آبادی کے مکان تو تھے۔ غالباً جنگی مصلحت سے۔ لیکن باغ نہیں۔ اگر تکلیف گوارا کر کے ان حرّوں پر سے فوج گزر بھی جائے تو ایسے میدانوں میں لڑائی بھی آسان نہیں۔

مزید برآں مدینے کو آنے کا جنوبی راستہ جو آجکل باب العنبریہ سے داخل ہوتا ہے، ابھی تین سو سال پہلے تعمیر ہوا ورنہ قدیم زمانے میں کاروانوں کا راستہ یہ تھا کہ ذوالحلیفہ سے گزرتے ہی جبل عَیر کے مغرب سے وادی العقیق کے اندر سیدھے شمال میں زغابہ کے سنگم (مجمع الاسیال) تک جائیں اور وہاں سے مدینے کو جانے کے لئے جنوبی طرف مڑیں۔ وادیوں کے یہ راستے نرم ریت پر مشتمل ہونے کے باعث اونٹوں کو بھی پسند تھے۔

غرض یہ جغرافی دشواریاں تھیں جن کے باعث قریش کی تھکی ہوئی فوج اور بارہ دن کے کوچ سے نیم مردہ جانوروں نے بھی مدینے سے دور زغابہ میں جا کر ٹھیرنا پسند کیا جہاں پانی افراط سے تھا، چارہ بھی ملتا تھا۔ اور چونکہ کامیابی کا یقین تھا اس لئے واپسی کے راستے کی بھی فکر تھی۔

جیسا کہ بیان ہوا اُحد پہاڑ مدینے کے شمال میں شرقاً غرباً کم و بیش بہ خط مستقیم پھیلا ہوا ہے۔ قریباً وسط میں اس میں ایک جگہ خم آتا ہے اور نیم دائرے یا گھوڑے کی نعل کی شکل کا ایک کافی وسیع میدان بن گیا ہے۔ اس کے عقبی یعنی شمالی حصے میں ایک بہت ہی تنگ درے سے گزرنے اندر مزید کھلے یا محفوظ میدان مل جاتے ہیں۔ اُحد کے جنوبی دامن میں وادی قناۃ گزرتی ہے۔ وادی قناۃ کے جنوب میں جبل عینین واقع ہے جسے اب جنگ اُحد میں تیراندازوں کے تعین کے باعث جبل الرُماۃ کہا جاتا ہے۔ وادی قناۃ کے شمال میں جبل اُحد کے دامن میں جو کھلا میدان ہے اس میں کے دو چشمے اب بھی موجود ہیں اور کوئی تعجب نہیں جو انھیں چشموں کے باعث جبل الرماۃ کو جبل (دو چشموں والا پہاڑ) کہا جاتا رہا ہو۔

کا سواروں کے ایک رسالے کو روکنا ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ قریش کے ساتھ دو سو گھوڑوں کا ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ جو خالد بن الولید اور عکرمہ بن ابی جہل کی کمان میں تھے[۱۵]۔ دوسرے الفاظ میں وادی قناۃ سے گھسنے کی کوشش کرنے والا خالد بن الولید کا رسالہ کم سے کم سو سواروں پر مشتمل تھا، اور موجودہ چوڑائی اتنی ہے کہ یہ رسالہ مسلم تیر اندازوں کی زد سے پرے حفاظت سے گزر سکتا ہے۔ اس دشواری کا حل سوائے قیاسات کے ممکن نہیں۔ گمان یہ ہوتا ہے کہ اُحد اور وادی قناۃ کے مابین اس وقت جو ہلکے سے ڈھلوان کا میدان ہے، وہ ۳ھ میں اتنا ہموار نہ تھا جتنا اب ہے۔ مورخین کے بیان کے مطابق وادی قناۃ میں بارہا شدید طغیانیاں آتی رہی ہیں۔ چنانچہ حضرت حمزہ کو اسی بنا پر ابتدائی مدفن سے نکال کر موجودہ قبر میں دفن کرنا پڑا تھا۔ ان طغیانیوں نے اس ڈھلوان کو، جو اُحد کی طرف سے اترتا ہوا قناۃ کی طرف آتا ہے، ہموار تر کر دیا ہے۔ دوسرے جبل الرماۃ پر حالیہ زمانوں میں جو مکان تعمیر ہوئے ہیں، نیز حضرت حمزہ کے مقبرے اور عظیم الشان مسجد کو بنانے اور ان کئی درجن مکانوں کو تعمیر کرتے ہیں جو وادی قناۃ کے کنارے مقبرہ حضرت حمزہؓ کے مشرق میں ہیں اُحد کے دامن سے پتھر حاصل کئے گئے، اور اس سنگ تراشی یا سنگ برآری نے بھی اُحد و عینین کے درمیانی ڈھلوان کو سطح کر دیا، ورنہ قدیم زمانے میں اُحد کے دامن میں جبل عینین سے تیر اندازوں کی زد سے بچ کر سوار نہیں گزر سکتے ہوں گے۔ ایک یہ بھی امکان ہے کہ وادی قناۃ کے پاٹ نیز دو چشموں کی موجودگی کی بنا پر اُحد اور قناۃ کے مابین باغ، مکانات وغیرہ ہوں جو اب باقی نہیں رہے اور یہ رسالے کو روکتے ہوں گے اور وہ صرف وادی قناۃ میں سے گزر سکتا ہو گا۔ اگر رسالہ صرف وادی قناۃ میں سے گزرنا چاہے تو تیر انداز اسے اچھی طرح زد میں لے سکتے ہیں اس دشواری کا ایک خاصا بڑا حل اس تفصیل میں مل جاتا ہے کہ تیر اندازوں کی ہمکاری کے لئے چند سوار بھی متعین تھے جیسا کہ ابھی نیچے ذکر آئیگا باغوں کا بھی ہمیں ذکر ملتا ہے۔ ابو دجانہ کا دامنِ اُحد میں رسول کریم سے ایک خصوصی تلوار اپنی بہادری کے اظہار کے لئے حاصل کرنا مشہور واقعہ ہے۔ اس موقعہ پر ان کا کہا ہوا ایک شعر جو طبری (ص ۱۴۲۶) اور ابن ہشام (ص ۵۶۳) میں محفوظ ہے، کوئی تعجب نہیں جو اصلی ہو۔ ؎

انا الذی عاهدنی خلیلی	ونحن بالسفح لدی النخیل
(ترجمہ) میں وہ ہوں جس سے میرے دوست نے معاہدہ لیا	جب کہ ہم نخلستان کے پاس پہاڑ کے دامن میں تھے۔

---

[۱۵] ابن ہشام ص ۵۶۱

جب قریشی فوج مدینے کے قریب ذوالحلیفہ پہنچی تو مسلمانوں کے جاسوس ان میں شامل ہوگئے[1]۔ اور جب یہ فوج جبل اُحد کے مغرب میں زغابہ میں مقیم ہوگئی تو مدینہ آکر رپٹ دی[2]۔ آنحضرت نے بھی (جو ابتداً شہر کے اندر ہی رہ کر مدافعت کرنی چاہتے تھے لیکن بعد میں فوج کے نوجوان افسروں کے اصرار پر باہر نکل کر مقابلے کو منظور فرماتے ہیں[3]) اپنی فوج کو اُحد کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ آبادی کے باہر جمع ہونے پر شیخین کی گڑھیوں کے پاس استعراض (ریویو) ہوا اور رضا کاروں کا تنقیدی نظر سے معائنہ فرمایا۔ کم عمر بچے واپس کر دئے گئے[4] البتہ عورتوں کی کافی تعداد ساتھ رکھی گئی جو لڑائی کے وقت زخمیوں اور دیگر سپاہیوں کی خدمت کرتی ہیں۔ ان میں ام المؤمنین بی بی عائشہ بھی تھیں جن کا مشکیں بھر بھر کر پانی لانا اور زخمیوں کو پلانا صحیح بخاری میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اس فوج میں کل سات سو آدمی تھے جن میں سے صرف ایک سو کے پاس زرہیں تھیں[5] باقی مختلف قسم کے ہتیاروں میں سے ایک یا چند لئے ہوئے تھے۔ پہلے دن اسی جگہ قیام رہا جہاں رضا کاروں کو جمع ہونے کا حکم دیا گیا تھا اور جہاں فوج کا معائنہ ہوا تھا۔ اس جگہ شیخین نامی دو مشہور آطام (چھوٹے قلعے) بھی تھے[6]۔ رات کو پچاس سپاہی حفاظت کے لئے اسلامی پڑاؤ کے اطراف گشت کرتے رہتے[7] تاکہ شب خون کا اندیشہ نہ رہے۔ دوسرے دن آگے بڑھ کر جبل اُحد کے مذکورہ خماؤ کے اندر پڑاؤ ڈالا گیا[8] جس سے بہتر اور محفوظ مقام نہیں مل سکتا تھا۔ آنحضرت نے فوراً مورچوں پر قبضہ کیا اور جبل عینین (جبل الرُماۃ) پر پچاس تیر انداز متعین کئے کہ اگر دشمن وادی قناۃ کی راہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کوئی ٹکڑی بھیجے تو اُسے روکیں[9]۔ باقی چھے ساڑھے چھے سو سپاہیوں سے آنحضرت نے قریش کی تین ہزار کی جمعیت کے مقابلے کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا۔ متعدد مورخوں نے لکھا ہے کہ لڑائی کے دن آپ نے دوہری زرہ زیب تن فرمائی تھی[10] اور بعض بیانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی کے دن آپ نے کعب بن مالک سے زرہ بدل بھی فرمائی[11]۔ غالباً اس لئے کہ دشمن پہچان نہ سکے۔

جبل عینین اور جبل اُحد کے درمیان آج کل جو فاصلہ ہے وہ اتنا وسیع ہے کہ پچاس تیر اندازوں

---

[1] مغازی الواقدی ورق (۹۴ ب) [2] ابن ہشام ص ۵۵۸ [3] سیرۃ شامی بر موقع [4] ایضاً (نزل بالشیخین وہما اطمان)
[5] ایضاً (استعمل علی الحرس تلک اللیلۃ محمد بن مسلمہ فی خمسین رجلا یطوفون بالعسکر) [6] ایضاً [7] ابن ہشام ص ۵۶۰ [8] ابن ہشام ص ۵۶۰
[9] کتانی ۱/۳۲۵ نیز استیعاب ص ۹۰۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کی خبر پھیلی تو مسلمان سپاہی بھی اس غار کی طرف چڑھنے لگے۔ اس اجتماع کو دیکھکر دشمن کے چند سپاہی متوجہ ہوئے مگر مسلمان بلندی پر تھے، اُن کی سنگ اندازی[1] کا مقابلہ ایک چھوٹی ٹکڑی نہیں کرسکتی تھی، اور اپنے ساتھیوں کو جاتا دیکھکر انھوں نے اس آخری مورچے کو زیادہ اہمیت بھی نہیں دی، اور خود بھی روانہ ہوگئے۔ آنحضرت کو خوف ہوا کہ کہیں یہ شہر مدینہ میں گھس کر وہاں لوٹ مار اور آتش زنی نہ کریں۔ مگر جب یہ خبر ملی کہ گھوڑوں کو کوتل بنا کر دشمن اونٹوں پر سوار جارہا ہے تو یہ نتیجہ نکالا گیا کہ وہ ملے کوچ کا ارادہ رکھتا ہے، مدینہ پر دھاوے کا نہیں[2]۔ آنحضرت پھر بھی مطمئن نہیں ہوئے اور اس خیال سے کہ دشمن اپنی غلطی پر نادم ہوکر پھر راستے سے واپس نہ پلٹے آپ قریش کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے اور آٹھ دس میل تک جاکر کافی عرصہ راستے پر قیام کیا، اور جب اطمینان ہوگیا تو مدینہ واپس آئے[3]۔

---

[1] ابن ہشام ص ۵۷۶ [2] ابن ہشام ص ۵۸۳ [3] ایضاً ص ۵۸۸

جنگ اُحد کے دن قریشی فوج زغابہ سے سیدھے اُحد کے جنوبی دامن میں پہنچ گئی ہوگی اور موجودہ مغربی مقبرۂ شہدا پر مسلمانوں سے اس کی مٹ بھیڑ ہوئی ہوگی۔ خالد بن الولید کا رسالہ کدھر سے آیا؟ میرا قیاس ہے کہ وہ زغابہ کے شمال مشرق میں اُحد کے پیچھے سے گزرتا ہوا مشرقی طرف سے میدانِ اُحد کی طرف آیا، جہاں باوجود کئی بار بڑھنے کی کوشش کے تیروں کی باڑھ اسے پسپا ہونے پر مجبور کرتی رہی۔ طبری (صفحہ ۱۳۹۶ وما بعد) سے یہ اہم واقعہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کے رسالوں کے مقابلے کے لئے آنحضرت نے اپنے مختصر رسالے کے بھی دو حصے کئے تھے، اور حضرت زبیرؓ کا رسالہ تیر اندازوں کے ساتھ ہمکاری کرتے ہوئے خالد کے رسالے کو پسپا کرنے میں کامیاب حصّہ لیتا رہا۔

تاریخ بس جانتے ہیں کہ اہلِ مدینہ کی جانبازی کے باعث قریشی لشکر کے پاؤں جلدی ہی اُکھڑ گئے[۱] اور مسلمان سپاہی لوٹ گھسوٹ کرنے لگے۔ اس وقت تیر انداز بھی پہاڑ سے اُتر آئے اور مالِ غنیمت جمع کرنے کے لئے چو طرف پھیل گئے حالانکہ آنحضرت نے انھیں ہر حال میں اپنی ہی جگہ جمع رہنے کی تاکید فرمائی تھی حتیٰ کہ مسلمان فوج کو شکست بھی کیوں نہ ہو جائے۔ سات آٹھ تیر انداز جو وہاں رہ گئے، خالد بن الولید کے رسالے کے نئے دھاوے کو روکنے کے ناقابل تھے۔ جب ان سواروں نے مسلمانوں پر اچانک پیچھے سے حملہ کیا[۲] اور وہ پلٹے تو پسپا ہوتے والا قریشی لشکر بھی تھما اور دوبارہ حملہ کیا۔ اب مسلمان دو طرف سے گھر گئے اور آنحضرت کی شہادت کی افواہ پھیلی[۳] تو اُن کے اوسان اور بھی خطا ہوئے اور آخر انھیں شکست ہوگئی اور اکثر مدینے کی طرف بھاگ نکلے[۴]

قریش سمجھے کہ ان کا کام ختم ہوگیا اور وہ اپنے اونٹوں پر سوار ہوکر روانہ ہوگئے[۵]۔ آنحضرت زخمی ہوگئے تھے۔ آپ کے دندانِ مبارک کو بھی دشمن کی سنگ اندازی سے صدمہ پہنچا تھا[۶] اور دشمن کے کھود کر چھپائے ہوئے ایک گڑھے میں بھی اتفاقاً آپ گر پڑے تھے[۷]۔ مگر دشمن مسلمانوں سے میدان کو خالی پاکر اپنے پڑاو کی طرف روانہ ہونے لگا تو بچے کچے مسلمان سپاہی پھر جمع ہونے لگے اور آنحضرت بھی اپنے گڑھے سے نکلے اور احد پہاڑ کے مشرقی حصّے پر اپنے ساتھیوں کی مدد سے چڑھے[۸] اور وہاں کے محفوظ غار میں جاکر آرام لیا جس میں ایک آدمی آرام سے لیٹ سکتا اور متعدد لوگ اس کے بازو بیٹھ سکتے ہیں آنحضرت

---

[۱] ابن ہشام ص ۵۶۹۔ [۲] ایضاً ۵۷۰ [۳] ابن ہشام ص ۵۷۰ [۴] موقع پا کر ایک منافق نے ایک مسلمان کو عمداً قتل کر ڈالا تو پتہ چلنے پر بعد میں آنحضرت نے قصاص کا حکم فرمایا (دیکھئے کتاب المحبر ابن حبیب صفحہ ۴۶۶ وابن ہشام صفحہ ۵۷۹) لیکن ایک اور صحابی کو بعض دیگر رفیقوں نے دشمن سمجھ کر قتل کر ڈالا تو مقتول کے بیٹے حذیفہ بن الیمانؓ نے خوں بہا معاف کر دیا (ابن ہشام صفحہ ۶۰۰) حذیفہ کے والد "یمان" (یعنی یمن والے) کا نام حسیل بن جابر تھا)۔
[۵] ابن ہشام ص ۵۵۵ وما بعد۔ [۶] ابن ہشام ص ۵۷۱ [۷] ایضاً ص ۵۷۲ [۸] ایضاً ص ۵۷۲ و ۵۷۶

دُومۃ الجندل میں، مدینہ آنے والے کاروانوں کو ستایا بلکہ روکا جانے لگا تو آنحضرت خود اُدھر روانہ ہوئے، تاکہ اس کانٹے کو راستے سے صاف کیا جائے[1]۔ بظاہر دورانِ مہم میں آپ کو اس مخالفانہ سازش اور جتھا بندی کا پتہ چل گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اب بہت جلد وار کیا جانے والا ہے۔ اسی لیے خلافِ معمول آپ آدھے راستے[2] سے مدینہ واپس آ گئے اور شہر کی مدافعت کا انتظام کرنے لگے۔

اسلامی مؤرخ عام طور سے لکھتے ہیں کہ مدافعت کے مشورے میں حضرت سلمان فارسی نے رائے دی کہ شہر کے اطراف ایک خندق کھودی جائے جیسا کہ ایران میں رواج ہے[3]۔ مکتوباتِ نبوی میں سے ایک میں جو مغازی الواقدی اور مقریزی کی "النخاصم بین بنی ہاشم و بنی اُمیہ" میں ملتا ہے، ابوسفیان نے طعنہ دی کہ مقابلے کی جگہ قلعوں میں گھس بیٹھے ہو، اور حیرت ظاہر کی کہ یہ نیا داؤں کس سے سیکھا۔ اس کے جواب میں آنحضرت نے لکھا کہ خدا نے آپ کو یہ چیز الہام کی[4]۔

بہرحال جو بھی ہو، یہ امر واقعہ ہے کہ ۵ھ کی یورش کا مقابلہ آنحضرت نے ترقی یافتہ اُصولِ جنگ سے کیا۔ کم و بیش یہی رائے آپ کی جنگِ اُحد میں تھی کہ شہر میں محصور رہ کر مدافعت کریں مگر نوجوان سپاہیوں اور افسروں کے اصرار پر آپ نے شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا تھا اور ستر مسلمانوں کی کثیر تعداد کا نقصان برداشت کرنا پڑا تھا[5]۔

واقدی[6] کا بیان ہے کہ دومۃ الجندل کی مہم سے واپس آنے اور خندق کی تجویز پختہ ہونے کے بعد آنحضرت چند انصار و مہاجرین کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے اور شہر کے اطراف ان مقامات کا معائنہ فرمایا جو جنگ اور محاصرے میں اہمیت رکھ سکتے تھے اور اس مقام کی تلاش کی جہاں پڑاؤ ڈال کر مسلمان سپاہی اُتر سکیں۔ اور طے یہ ہوا کہ حسبِ معمول عورتیں، بچے، جانور، غلہ اور قیمتی اثاث البیت ان گڑھیوں میں منتقل کر دیئے جائیں جو مدینے کے اطراف میں سیکڑوں کی تعداد میں تھیں اور جن کو آطام اور آجام کہا جاتا تھا، اور مسلمان سپاہی جبل سلع کے دامن میں خیمے لگا دیں اور اپنے سامنے ایک لمبی اور گہری خندق کھود دیں۔

شہر کے اطراف خاص کر جنوب میں باغوں کا جال بچھا ہوا تھا اور ان کے درمیان جو تنگ راستے تھے ان میں سے گزرنے کی کوشش دشمن کو صف کی جگہ قطار بنانے پر مجبور کرتی تھی اور ان راستوں

---

[1] ابن ہشام ص ۶۶۸ [2] ایضاً [3] طبری ص ۱۴۶۵ [4] حوالے و متن میری "الوثائق السیاسیۃ" میں [5] ابن ہشام ص ۵۵۸ وغیرہ [6] مغازی الواقدی ورق (۱۰۲ ب)

خندق

(دیکھیے نقشہ کی تصاویر ۱/۲)

اُحد کی لڑائی میں قریش جیت تو گئے لیکن مدینے میں اپنا فوجی دستہ چھوڑ جانے اور اپنے شامی کاروانوں کے راستے کی مستقل حفاظت کا اطمینان کرنے پر انھوں نے کوئی توجہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قریش اور اُن کے حلیف صحرائیوں کے مدینے سے دُور نکلتے ہی مسلمان اپنے گھروں میں آ گئے، اور جلدی ہی انھوں نے اپنا کھویا ہوا وقار نہ صرف حاصل کر لیا، بلکہ اپنے اثرات مشرق میں نجد تک[1] اور شمال میں کاروانوں کے جنکشن دُومۃ الجندل کے قریب تک پھیلا دیے[2]۔ اور قریش کا نہ صرف شام و مصر بلکہ[3] عراق کا راستہ بھی مؤثر طور سے بند کر دیا۔ اور خود شہر مدینہ میں بھی وہاں کے یہودیوں کی روز افزوں جلا وطنی اور نومسلم عرب قبائل کے توطن سے اُن کی حالت مستحکم تر ہو گئی۔ (دیکھیے میرا خصوصی مقالہ بعنوان "ہجرت" رسالہ سیاست حیدر آباد جولائی ۱۹۴۲ء میں)

مگر یہودیوں کی جلا وطنی تازہ مشکلات کا باعث بنی۔ یہ لوگ مدینے کے شمالی علاقوں میں جا کر بسنے لگے جیسے خیبر، وادی القُریٰ، اور دیگر یہودی نو آبادیاں جو شامی راستے پر فلسطین تک پھیلی ہوئی تھیں۔ غالباً دُومۃ الجندل میں بھی ان کے خاصے اثرات تھے کیونکہ مدینہ آنے والے غلے وغیرہ کے کاروانوں کو اب دومۃ الجندل میں بھی چھیڑا جانے لگا[4]۔ ان یہودیوں نے اپنے معاشی اثرات سے ایک طرف تو غطفان[5] وغیرہ قبائل کو مدینے پر دھاوا لینے کے لئے فراہم کر دیا اور دوسری طرف قریش کو بھی ان تیاریوں سے آگاہ کر کے مدینے پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کر دیا[6]۔ اور یہ سب تیاریاں، پوری مستعدی سے کوئی دو سال تک، ہوتی رہیں۔ اور شوال ۵ھ میں مدینے کی خندق کا محاصرہ کر لیا گیا۔

---

[1] بئر معونہ و ذات الرقاع وغیرہ نجد ہی میں ہیں۔ [2] ابن ہشام ص ۶۹۱ تا ۶۹۲۔ [3] ابن ہشام ص ۵۴۷، طبری سنہ ۳ھ ۱۳۷۔ [4] التنبیہ والاشراف للمسعودی ص ۲۴۸۔ [5] ابن ہشام ص ۶۶۸۔ [6] البدایہ لابن کثیر ج ۴ ص ۹۶

میں چھوٹی چھوٹی چوکیاں بھی بڑی سے بڑی فوج کو روک دینے کے لئے کافی تھیں۔ مشرق میں بنو قریظہ وغیرہ یہودیوں کے سیکڑوں مکان اور باغ تھے اور فی الوقت ان سے بہت اچھے تعلقات تھے اور ادھر سے بھی اطمینان سا تھا۔ شمال کا رخ ہی سب سے خطرناک تھا اور ایک حد تک مغربی رخ بھی۔ اس لئے آنحضرت کی ابتدائی تجویز کے مطابق شمال میں حرۂ شرقی اور حرۂ غربی کو ملاتی ہوئی ایک خندق کھدائی گئی جو نیم دائرہ بناتی ہوئی جبل سلع کے مغربی کنارے سے آملی[۱]۔ پھر مختلف قبائل نے اپنے محلّوں کی حفاظت کے لئے اپنے طور پر[۲] اسے جنوب میں عیدگاہ (مسجد غمامہ یا مصلّی) کے مغرب سے گزارتے ہوئے کافی دور تک قبا کے رخ میں بڑھا دیا۔ شہر مدینہ کی تاریخ میں مطری نے لکھا ہے کہ اب وادئ بطحان راستہ بدل کر اس جگہ سے گزرنے لگی ہے جہاں خندق کھودی گئی تھی[۳]۔ واقدی[۴] کا بیان ہے کہ قبا میں بھی بعض قبائل نے اپنے آطام کے اطراف خندق کھودی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ خندق کو عبور کرنے کے لئے بعض جگہ "دروازے" (نہ کھدی ہوئی کم چوڑی زمین کی صورت میں؟) بھی رکھے گئے تھے لیکن وہ کس جگہ تھے واقدی کو بھی معلوم نہ ہوسکا[۵]۔ قیاس چاہتا ہے کہ اس سے مراد وہ پہاڑیاں ہونگی جن کو خندق کے زنجیرے کی کڑیاں بنایا گیا تھا، اور یہ پہاڑیاں عبور و مرور کے لئے ممکن ہونے کے ساتھ ساتھ دیکھ بھال کی چوکیاں بھی تھیں۔ چنانچہ مسجد ذباب اس کا اب بھی لقایا ہے جس پر ابتداءً آنحضرت کے لئے ایک ترکی ڈیرہ[۶] لگایا گیا اور پھر جہاں اس کی یادگار میں دروازے والی مسجد (ذو باب) بنائی گئی جو اب "ذُباب" کہلانے لگی ہے۔

غرض جیسا کہ بیان ہوا، شہر مدینہ بکثرت محلّوں پر مشتمل تھا اور ان محلّوں کے مابین کافی مسافت تھی اور یہ درمیانی زمین باغات اور نخلستانوں کی صورت میں تھی جن کے اطراف اکثر صورتوں میں پتھر کی مستحکم اور خاصی بلند دیواریں تھیں جن کی وجہ سے خود باغوں کو "حائط" کہا جانے لگا۔ ایسے باغ اب تک مدینہ منورہ میں باقی ہیں۔ اور ان میں پختہ اور وسیع کنویں اب بھی اس قابل ہیں[۷] کہ ان میں درجنوں لوگ اُتر کر چھپ جائیں اور ان پختہ دالانوں اور حجروں سے جو کنووں کے اندرونی حصے میں

---

[۱] سمہودی در بیان خندق۔ [۲] مغازی الواقدی ورق ۱۰۳ ب۔ [۳] کتاب التعریف بما انست الہجرۃ من معالم دار الہجرۃ بر موقع۔
[۴] مغازی ورق ۱۰۳ ب) [۵] ایضاً (ذکروا ان الخندق لہ ابواب فلسنا ندری این موضعہا) [۶] سمہودی تحت کلمہ (ذباب) طبری ص ۱۴۶۹
[۷] مثلاً بئر رومہ اور باغ قدیم بری قریب تھا۔

بنائے گئے ہیں، گڑھیوں بلکہ چھوٹے قلعوں کا کام لیں۔ (یہ کنویں حالت امن میں قیدیوں کے لئے محبس کا کام بھی دیتے تھے جیسا کہ کتانی[1] نے بحوالۂ عینی لکھا ہے کہ کانت السجون آبارا) اور مختلف محلّوں کے یہ باغ اور گھر باہم کچھ اس طرح متصل ہو گئے تھے کہ متعدد جگہ دو اونٹ گزرنے کے قابل عریض گلیوں کے سوا کوئی اور گزرگاہ بھی نہیں تھی۔ یہ حالت خاص کر قبا کے یعنی جنوبی رخ میں اب تک نظر آتی ہے۔ عہدِ نبوی میں جب کہ یہ باغ بہت زرخیز حالت میں تھے ان کی حالت جو کچھ ہوگی اس کا اندازہ اس اقتباس سے ہوتا ہے جو سمہودی نے ابن اسحاق سے نقل کیا ہے:۔

عن ابن اسحاق کان احد جانبی المدینۃ عورۃ وسائر جوانبھا مشککۃ بالبنیان والنخیل لا یتمکن العدو منھا۔ (وفاء الوفاء تحت کلمہ "خندق")	ابن اسحاق سے روایت ہے کہ شہر مدینہ کا ایک رُخ کھلا ہوا تھا اور اس کے باقی رُخ عمارتوں اور کھجور کے گھنے باغوں سے گھرے ہوئے تھے، جن میں سے دشمن گزر نہیں سکتا تھا۔

اِسی ایک کھلے رُخ یعنی شمال کی جانب خندق کھودی جانی طے ہوئی چنانچہ اولاً اس علاقے کی پیمائش کی گئی۔ پھر کام رضا کاروں پر بانٹا گیا۔ اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رضا کارانہ خدمت کی دعوت پر جب تین ہزار مسلمانوں نے لبیک کہی تو ہر دس دس آدمیوں کی ٹکڑی پر چالیس "ذراع" (جو شاید بیس گز کے مترادف ہے) لمبی خندق کھودنے کا کام سپرد[2] ہوا۔ دوسرے الفاظ میں یہ خندق تقریباً ساڑھے تین میل طویل تھی۔ گہری اور چوڑی کتنی تھی، اس کا کوئی پتہ مجھے اب تک کسی کتاب میں نہیں ملا۔ لیکن اس کے کئی مرتبہ تذکرے ملتے ہیں کہ دشمن کے سوار خندق کُدا کر آنے کی کوشش میں عموماً ناکام رہے۔ اور ایک مرتبہ ایسی ہی ایک کوشش میں ایک سوار خندق کے اندر گر کر مر گیا[3]۔ اس طرح کوئی تعجب نہیں جو دس گز چوڑی اور اتنی ہی گہری خندق کھودی گئی ہو۔

خندق کی کھدائی کے زمانے میں آنحضرت اپنا مکان چھوڑ کر[4] خندق سے متصل ایک پہاڑی پر خیمہ لگا کر مقیم ہو گئے، جس کی یادگار آج تک مسجد ذُباب (اصل میں "ذوباب" یعنی دروازے والی مسجد) موجود ہے۔ سپہ سالار اعظم کی یہ مستعدی ظاہر ہے کہ رائگاں نہیں جا سکتی تھی۔ اس سے بڑھکر

---

[1] التراتیب الاداریہ ج ۱ ص ۲۹۰ [2] کتانی ج۱ ص۲۹۰ طبری ص ۱۴۶۷ وغیرہ

[3] طبری ص ۱۴۷۴۔ مسند ابن حنبل ۱/۲۷۱ [4] عام لوگ دن بھر تو خندق کی کھدائی کرتے مگر رات اہل و عیال میں گزارتے (ابن ہشام ص۲۷۰)

تھی کہ اپنے دلی جذبات غداری کو ظاہر کریں کیونکہ دشمن ابھی آیا نہ تھا۔ اور [1] کے معاہدے کے تحت [2] وہ مدافعت مدینہ میں مسلمانوں کا ہاتھ بٹانے کے پابند تھے۔

یہ کھدائی بعض بیانوں کے مطابق کوئی تین ہفتے [3] جاری رہی جب "سرکاری" خندق شمال میں مکمل ہونے لگی تو مختلف محلوں کے باشندے بھی دیکھا دیکھی اپنے طور پر اس سامانِ مدافعت سے استفادہ کرتے اور خندق کی اپنے محلے کے سامنے توسیع کرنے لگے اور اس طرح شہر کے مغرب میں بھی کوئی دو ڈھائی میل کی خندق کھد گئی۔ اس کے علاوہ بعض آطام کے گرد خندق کھود لی گئی جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔

خندق کی کھدائی کے دوران میں رضا کار جو اشعار گاتے تھے ان میں سے بھی چند تاریخ نے محفوظ کئے ہیں [4]۔

واقدی [5] نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جو انسانی عناصر کے ہر زمانے میں پائے جانے پر دلالت کرنے کے باعث نقل کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت زید بن ثابتؓ جو اس وقت دس بارہ سال کے بچے ہوں گے، خندق کھودنے میں ہاتھ بٹانے لگے اور دھوپ اور محنت سے تھک کر ایک دن جو ذرا کہیں لیٹے تو آنکھ لگ گئی۔ حضرت عمارہ بن حزم بڑے ہنس مکھ اور چلبلی طبیعت کے تھے۔ ان کی جو نگاہ پڑی تو بچے سے بھی دل لگی نہ چھوڑی اور حضرت زید بن ثابت کا کھدائی کا سامان اور کپڑے چپکے سے اٹھا کر کہیں چھپا دیئے۔ ظاہر ہے کہ کوئی بڑا تو بیدار ہونے پر سمجھ جائے کہ کسی دوست کی شرارت ہے لیکن کسی کم سن چو شیلے کا اس اپنی کوتاہی اور قصور" پر گھبرا جانا ناگزیر ہے۔ اسی لئے آنحضرت نے ایک طرف حضرت زید کو ابو رقاد کہہ کر ملامت کی (یعنی بڑا سونے والا) اور دوسری طرف حضرت عمارہ کو تنبیہ کی کہ کن صورتوں میں مذاق نامناسب ہے۔

خندق کی کھدائی ہر جگہ یکساں رفتار سے نہ رہی ہوگی شمال میں چونکہ زمین آسانی سے کھد گئی ہوگی حرّہ میں دشواری ہوئی ہوگی۔ چنانچہ سنگ مرمر کی ایک چٹان سے رضا کار عاجز ہو کر یہ اجازت لینے آئے کہ پیمائشی جگہ سے خندق کو ذرا ہٹا دیں۔ آنحضرت کا اس چٹان کو خود آ کر توڑنا مشہور واقعہ ہے [6]۔ ایک اور واقعہ ابن ہشام صفحہ ۶۷۱ میں مذکور ہے۔

کھدائی مکمل ہونے لگی تھی کہ شوال میں دشمن بھی آ پہنچا۔ آنحضرت نے فوراً عورتوں بچوں وغیرہ کو حسب معمول

---

[1] دستور مدینہ صفحہ [2] [3] ابن ہشام صفحہ ۶۷۱ [4] مغازی ورق (۱۰۳) [5] طبری ص ۷، ۱۴۶ تا ۱۴۹ نیز ابن ہشام ۶۷۳

یہ کہ رسول کریم نے دس آدمیوں کی ایک ٹکڑی میں خود بھی شرکت فرمالی (اسی ٹکڑی میں سلمان فارسیؓ بھی تھے)، اور کھدائی میں برابر کا حصہ لیتے رہے۔[1]

سلمان فارسی ایک قوی ہیکل آدمی تھے اور کئی آدمیوں کے مجموعی کام کے برابر خود کرتے تھے۔ (چنانچہ بقول واقدی حفرّوا لہ خمس اذرع طولا و خمس فی الارض) اس لئے ہر ٹکڑی کے لوگ چاہتے تھے کہ سلمان انھیں کے ساتھ ہوں۔ اس پر بروایت ابن ہشام وغیرہ رسول کریم نے فرمایا "سلمان منّا اھل البیت" (یعنی نہیں، سلمان تو ہمارے اہل بیت کے ساتھ ہوں گے۔) اس جملے سے شاید یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ رسول کریم کی ٹکڑی میں زیادہ تر اہل بیت نبوی کے افراد مثلاً حضرت علی وغیرہ ہوں گے۔[2]

بعض بیانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی آنحضرت کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ چنانچہ واقدی[3] اور شامی[4] نے ایک روایت نقل کی ہے کہ کثرت کار اور شب بیداری سے تھک کر ایک دن آنحضرت خندق کی کھدائی کے وقت آرام لینے لیٹ گئے تو:۔

"ورأيت ابابكر وعمر واقفين على راسه (صلعم) ينحيان الناس ان يمروا به فينبهوه۔"

راوی کہتے ہیں: میں نے ابوبکر اور عمر کو دیکھا کہ وہ آنحضرت کے سرہانے کھڑے تھے اور لوگوں کو ہٹا رہے تھے، ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کے پاس سے گزر کر آپ کو بیدار کر دیں۔

اسی روایت میں ایک دلچسپ جملہ یہ بھی ہے:۔

وکان ابوبکر وعمر لا يتفرقان فی عمل و لا مسير ينقلان التراب فی ثيابهما يومئذ من العجلة اذ لم يجد وا مكاتل لعجلة المسلمين۔

اور ابوبکر و عمر کبھی کام کرنے میں یا کہیں آنے جانے میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تھے، جلدی میں یہ مٹی کو اپنے کپڑوں میں ڈھوتے تھے کیونکہ مسلمانوں کو جلدی میں ٹوکریاں نہیں مل سکی تھیں۔

ابن سعد[5] سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعۂ راتج (حرۂ شرقی) سے جبل ذُباب تک مہاجرین مامور تھے، اور وہاں سے جبل بنی عبید اور مسجد فتح[6] تک انصار۔ بعض تاریخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں نے بنو قریظہ کے یہودیوں سے کھدائی کا سامان مستعار حاصل کیا تھا۔[7] اس وقت تک بنو قریظہ کو اتنی ہمت نہ ہوئی

---

1. طبری ص۱۴۶۵، ص۱۴۶۷۔ 2. مغازی ورق (۱۰۳ ب) 3. مگر طبری ص۱۴۶۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار وغیرہ لوگوں ہی پر یہ جماعت مشتمل تھی۔ 4. مغازی الواقدی ورق (۱۰۴ ب) 5. سیرۃ شامی برموقع 6. برموقع۔ 7. مغازی واقدی ورق ۱۰۲ ب)

ظاہر ہے کہ اکا دُکا آدمی محصور مقام میں گھس آئے اور اُسے مدد دینے والے نہ آسکیں، تو اس جسارت پر خود اُسی کو بھگتان بھگتنا پڑتا ہے اور خندق کے معرکے میں بھی یہی ہوا۔ بعض لوگ خندق کُدانے کی کوشش میں کھائی میں گر پڑے اور جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ ایک مرتبہ رات کے وقت مسلمانوں کی دو ٹکڑیوں کی مٹ بھیڑ ہوئی، اور ایک دوسرے کو نہ پہچان کر ہتھیار چلا ڈالے جس سے کچھ خون بہا اور چند زخمی ہوئے پھر اپنے معمولی شعار کے نعرے لگانے سے متنبہ ہوئے۔ رسول کریم کو اطلاع ہوئی، آپ نے مرنے والوں کو شہید قرار دیا اور مجروحوں کی جراحت فی سبیل اللہ، لیکن خون اور زخم پر کوئی ہرجہ عائد نہ فرمایا[1]۔

محاصرے میں روز افزوں شدت ہوتی گئی تو مدینے کے مشرق میں رہنے والے بنو قریظہ (یہودیوں کا) رنگ بھی بدلنے لگا اور افواہوں کی توثیق کے لئے آنحضرت نے جاسوس بھیجے اور انھیں راز میں سمجھا دیا کہ معاملہ دگرگوں دیکھو تو سب سے کہہ کر پریشانی میں اضافہ نہ کرنا بلکہ پیشگی معینہ اور بظاہر اطمینان دہانی کے) الفاظ آنحضرت سے کہنا جس کا مطلب آپ تو سمجھ جائیں گے مگر دوسرے سننے والے عوام بے خبر رہیں گے[2]۔

بنو قریظہ کی غداری کی توثیق تو ہو گئی لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ کب وار کرنے والے ہیں۔ اور چونکہ ان کو مسلمانوں کے پیچھے سے گھس آنے یا شہر مدینہ کو لوٹ لینے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی، اس لئے حضرت ابوبکرؓ کا بیان ہے[3]:-

ولقد کُنتُ اوافی علی سلع فانظر الی بیوت المدینۃ فاذا رأیتھم ھادئین حمدت اللہ	میں بار بار جبل سلع کی چوٹی پر چڑھ کر نظر دوڑاتا اور جب مدینے کے گھروں کو پُر سکون پاتا تو خدا کا شکر کرتا۔

اب صورتِ حال جتنی خطرناک ہو گئی تھی ظاہر ہے۔ قرآن تک میں اس کا نقشہ پُر درد الفاظ میں کھینچا گیا ہے:-

إذ جاءوكم من فوقكم ومن اسفل منكم	جب وہ تمہاری طرف آئے تمہارے اُوپر سے اور تمہارے نیچے
واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب	سے اور نظریں خیرہ ہو گئیں اور کلیجے مُنہ کو آنے لگے اور تم خدا
الحناجر وتظنون باللہ الظنونا ۰ ھنالك	کے متعلق عجیب بدگمانیاں کرنے لگے۔ اس موقع پر ایمان والوں
ابتلی المؤمنون وزلزلوا زلزالا شدیدا ۰	کی آزمائش ہوئی اور اُن میں ایک شدید زلزلہ مچ گیا۔

---

[1] الذخیرۃ البرہانیۃ لبرہان الدین المرغینانی (مخطوطہ ینگی جامع استانبول) باب ۲۳ فی المسلم یقتل اصحابہ فیما یقاتل۔ اس کے برخلاف جنگ احد میں حارث بن سوید منافق نے المجذر بن ذیادؓ کو عمداً قتل کر دیا تھا اور پتہ چلنے پر جناب رسالت مآب نے قصاص کا حکم صادر فرمایا۔ (کتاب المحبر لابن حبیب ص ۴۶۷) [2] طبری ۱۴۷۵ نیز ابن ہشام ص ۶۷۳ وغیرہ۔ [3] مغازی الواقدی ورق (۱۰۵)

گڑھیوں میں بھیج دیا[1]۔ اور خود پوری فوج کے ساتھ جبل سلع پر پڑاؤ لگا کر مقیم ہو گئے۔ اور آپ کا خیمہ بھی اب جبل ذُباب سے جبل سلع کے ایک اہم مگر محفوظ مقام پر منتقل کر دیا گیا۔ آپ کی خیمہ گاہ پر اب مسجد فتح بطور یادگار پائی جاتی ہے[2]۔ اور اسی کے قریب آپ کے چار سپہ سالاروں کے خیمے تھے وہاں بھی مسجدیں تعمیر کی گئی ہیں جو حضرت سلمان، حضرت ابو بکر، حضرت عثمان اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب ہیں۔ اور یہ سب مساجد خمسہ کے نام سے مشہور ہیں، اور اب تک پائی جاتی ہیں۔ (تصویر ۱)

دشمن جیسا کہ معلوم ہے متعدد حلیف قبائل پر مشتمل تھا اور ان کے متحد کرنے اور چڑھائی پر آمادہ کرنے میں مدینے سے نکالے ہوئے یہود بنو النضیر نے بڑا حصہ لیا تھا۔ قریش نے اُحد کی فتح سے ہمت پا کر اور دیگر قبائل نے مال غنیمت کے لالچ میں مدینے کا محاصرہ کرنے کی ٹھانی۔ بنو النضیر نے جو اپنے پورے مال و دولت کے ساتھ خیبر اور دیگر مزید شمالی علاقوں میں جا بسے تھے، اپنے ہمسایہ عرب قبائل کو جن میں غطفان بہت اہمیت رکھتے ہیں، اپنے سرمایہ وارانہ اثرات سے متاثر کر کے مسلمانوں کے خلاف اُبھارا تھا۔ غرض یہودی کارندوں نے وہ تمام انتظامات طے کر دیئے جو مدینے کے شمال اور جنوب دونوں طرف سے آنے والے حلیفوں کے لئے وقت اور مقام وغیرہ کے سلسلے میں ضروری تھے چنانچہ بقول واقدی (مغازی ورق ۱۰۱ تا ۲) خیبر کا ایک سال کا پورا کھجور غطفان کو دیا گیا تھا۔ غرض قریش اور کنانہ اور احابیش کے قبائل وادی عقیق کے قریب بئر رومہ پر مقیم ہوئے[3] اور غطفان اور بنو اسد اس سے کسی قدر مشرق میں وادی النعمان کے پاس ذَنَب نقمی نامی مقام سے جبل اُحد تک پھیل گئے[4]۔ ان مقاموں پر پانی اور گھاس کی کافی سہولتیں ہیں۔ گو بیان کیا جاتا ہے کہ فصلیں کٹ کر کافی عرصہ ہو چکا تھا (مغازی الواقدی ورق ۱۰۲)

مسلمان جبل سلع پر اور اس کے دامن میں مقیم تھے اور خندق کی باری باری سے ان کی ٹکڑیاں نگہبانی کرتیں اور پہرہ دیتیں[5] اور جب کبھی دشمن خندق کے کسی مقام پر نرغہ کرتا تو مسلمانوں کی فوج تیروں سے اس کا استقبال کرتی۔ دشمن کے سوار بھی خندق کی دوسری طرف منڈلایا کرتے اور غفلت کی تلاش میں رہتے۔ ایک آدھ مرتبہ دشمن کے بعض سردار اپنے عمدہ گھوڑوں کو خندق کدانے میں کامیاب ہو گئے[6] لیکن یہ

---

[1] طبری ص ۱۴۶۵ (لکھا ہے کہ بی بی عائشہ اُطم بنی حارثہ میں رہیں۔ طبری ص ۱۴۶۵) [2] سمہودی وغیرہ [3] طبری، ابن ہشام وغیرہ
[4] ایضاً [5] مغازی الواقدی ورق (۱۰۵) وا لمسلمون علی خندقہم یتناوبونہ معہم بضعۃ وثلاثون فرسا والفرسان یطوفون علی الخندق ما بین طرفیہ۔ [6] طبری ص ۱۴۷۵ تا ۷۶

اس اثنا میں شوال کا مہینہ ختم ہو چلا اور ذی قعدہ سر پر آگیا جو اشہرِ حُرم کا آغاز تھا جس میں قریش مذہبًا جنگ نہیں کر سکتے تھے[1] فتح کے امکانات نہ رہے۔ اتنے میں موسم بھی خراب ہو گیا۔ بارش، طوفان سردی، وغیرہ سے محاصرہ کنندہ پریشان ہونے لگے اور آخر بیزار ہو کر ابوسفیان نے پیش قدمی کی اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ روانہ ہو گیا۔ اس پر دوسرے قبائل بھی بے لیس ہو گئے اور یکے بعد دیگرے سب چلتے بنے[2] اور مطلع صاف ہو گیا۔

---

[1] میری رائے میں محاصرے کی برخاستگی کی بڑی اور اصل وجہ یہی ہو گی ورنہ محض طوفان ابوسفیان جیسے مستقل مزاج شخص کو اپنی دھن سے پلٹنے میں شاید کامیاب نہ ہوتا۔

[2] ابن ہشام ص ۶۸۳ تا ۷۰۲؛ طبری ص ۱۴۸۴ تا ۸۵؛ ابن سعد ج ۲/۱ ص ۵۰

اس وقت فوری کارروائی کی ضرورت تھی۔ آنحضرت نے خفیہ قاصد غطفانیوں اور فزاریوں کے سردار حارث بن عوف اور عُیَینہ بن حصن کے پاس بھیجے اور اُن سے معاہدہ کرلینا چاہا کہ وہ مدینے کے کھجوروں کی فصل کا معقول حصہ لے کر محاصرے سے دست بردار ہوجائیں۔ مگر شرطیں کڑی تھیں اور مسلمان ان پر آمادہ نہ ہوئے اور لکھی ہوئی دستاویزِ معاہدہ مٹا دی گئی۔[۱]

اب واحد چارۂ کار حلیفوں میں پھوٹ ڈلوانا اور غلط فہمی پیدا کرانا تھا۔ کئی ہفتوں کے قیام کے باعث محاصرہ کنندوں کا آذوقہ ختم ہو چلا تھا۔ اور ان کے پاس آنے والی رسد بھی مسلمانوں نے لوٹ لی تھی۔[۲] اس لئے وہ بنو قریظہ کو جلد حملہ کرنے پر مجبور کرنے لگے۔ مسلمان فوج تین ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ قریش وغیرہ محاصرہ کرنے والے چھے سات ہزار تھے۔ بنو قریظہ میں ڈیڑھ ہزار سے زیادہ سپاہی تھے۔ خندق اتنی طویل تھی کہ مسلمان ادھر سے اپنی جمعیت کو گھٹاتے اور بنو قریظہ سے مقابل ہونے کا خیال بھی نہ کرسکتے تھے۔

آنحضرت نے چند نومسلم کارندے بنو قریظہ کے پاس بھیجے جن کا اسلام لانا ابھی مشہور نہ ہوا تھا۔ اُنھوں نے بنو قریظہ میں کے اپنے دوستوں سے کہا کہ قریش کا جیتنا سو فی صد تو یقینی نہیں۔ تم نے اگر محمدؐ سے خواہ مخواہ جھگڑا مول لیا اور قریش محاصرہ اُٹھا کر چلتے بنے تو پھر تم تنہا محمدؐ سے کیا مقابلہ کروگے؟ بہتر ہو کہ تم قریش سے چند یرغمال مانگو کہ وہ لڑائی کو انتہا تک جاری رکھیں گے۔ یہ چیز جب ان کی سمجھ میں آگئی تو یہی کارندے قریش وغیرہ حلیفوں میں پہنچے اور مشہور کیا کہ بنو قریظہ اور آنحضرت میں سازباز ہوگئی ہے اور وہ قریش کے سرداروں کو کسی بہلانے اپنے پاس بلا کر آنحضرت کے سپرد کردینا چاہتے ہیں۔ اتنے میں بنو قریظہ کے سفیر پہنچے اور اپنے حملے سے پہلے چند یرغمال طلب کئے تو فوراً قریش کو یقین آگیا کہ ان کی آنحضرت سے سازباز کی خبر صحیح ہے۔ (ابن ہشام وغیرہ، برموقع۔)

ایک اور شخص کو آنحضرتؐ نے یہ باور کرنے کا موقع دیا کہ بنو قریظہ کا یرغمال مانگنا آنحضرت ہی کے حکم سے ہے۔ اور جب اُس نے وہ اطلاع قریش کو دی تو پھر اُنھیں ذرا بھی شبہہ نہیں رہا، اور یہودیوں سے کشیدگی اور کبیدگی حد کو پہنچ گئی۔[۳]

---

[۱] ابن ہشام ص ۶۷۶ طبری ص ۱۴۷۴۔ [۲] شامی کے مطابق حیی بن اخطب نے بیس اونٹ جو اور کھجور اور بھوسے سے لاد کر بھیجے تھے جو مسلمانوں کی ایک طلایہ گرد ٹولی کے ہاتھ پڑ گئے۔ [۳] اصابہ میں واقعہ مسعود ولنام ملک ۲۰۰۴۔

ہ کے بعد اسلامی
ور عثمان بن
ر گیا۔ گو اس
سالی تھی آنحضرت
نے کہا تھا کہ یہ
سے بھی زیادہ
وگئے یا بےبس
ور طائف جیس
مضان ۸ھ
و تنہا تھے اور
ں چکا تھا۔
ہ ۸ھ میں
ری اور صرف
نہ کریں چند
ی کی تو آنحضرت
فوج پر ظاہر نہ
ت کے وقت
ہ اسلامی فوج
ت کو نگرانی میں
نا یہ نہ ہو گئی

ابن ہشام
ابن ہشام
یغرہ

فتح مکّہ

(نقشے ا-ن-۲)

جیسا کہ ایک حدیث میں بیان ہوا ہے، محاصرۂ خندق کے اختتام پر رسول کریمؐ نے محسوس فرمالیا کہ اب قریش کی چڑھائیاں ختم ہوچکیں اور اُن کی قوت بھی۔ چنانچہ اس کے بعد سے مسلمانوں کے اقدام کا موقع نکل آیا اور قریش صرف مدافعت کرنے لگے۔ اس تبدیلِ صورتِ حال کے متعدد وجوہ تھے اور صرف بدر اور خندق میں قریش کی ناکامی فیصلہ کن امر نہ تھی۔

اصل میں آنحضرت نے دشمن کو نابود کرنے کی جگہ مجبور کرنا پسند فرمایا۔ اس کے لئے دو تدبیریں تھیں: ایک تو قریش کو معاشی دباؤ سے بے بس کردینا اور دوسرے اپنی فوجی قوت اتنی بڑھالینا کہ دشمن مقابلے کی جرأت ہی نہ کرسکے اور بغیر خون بہائے مقصد حاصل ہوجائے۔

وادیٔ غیر ذی زرع" کے رہنے والوں کا واحد ذریعۂ معاش نہیں تو سب سے بڑا ذریعہ "رحلۃ الشتاء والصیف" تھا۔ ہجرت کے دو چار مہینے کے اندر ہی آنحضرت نے "رحلۃ الصیف" یعنی شمالی راستہ جو ینبوع کے قریب سے مصر و شام کو جاتا تھا، وہاں کے قبائل سے حلیفی کرکے قریش کے لئے تنگ بلکہ بند کردیا۔ چنانچہ مدینہ اور ینبوع کے مابین بسنے والے قبائل کے معاہدے تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں[۱]۔ اس کے بعد اسلام کے پھیلنے اور آنحضرت کے فتوحات نے اسلامی اثرات نجد تک بھی پھیلا دیئے اور عراق کا راستہ بھی قریش کے لئے بند ہوگیا[۲]۔ طائف اور یمن کا راستہ پوری طرح بند نہ ہوا لیکن بین الاقوامی تجارت جو یمن اور مکے کے راستے ہندستان سے یورپ کی ہوتی ہے، اس کا گزرنا بند ہونے سے قریش کو خسارے وغیرہ کے سلسلے میں جو آمدنی ہوتی تھی وہ بھی بند ہوگئی۔ ایک موقع پر ایک لاکھ درہم کی چاندی قریش کے کاروان میں سے

---

[۱] دیکھیے الوثائق السیاسیہ۔ [۲] ابن ہشام ص ۵۴۷۔

مسلمانوں نے لوٹ لی تھی[1] غالباً یہ اسی بین الاقوام حمل ونقل سے متعلق ہوگی۔ جنگِ خندق کے بعد اسلامی اثرات نجد سے گزر کر یمامہ تک پہنچ گئے جہاں سے قریش کے لئے غلے کی درآمد ہوتی تھی اور ثمامہ بن اُثال کے اسلام سے یہ درآمد بھی روک دی گئی تو مورخین کے بیان کے مطابق مکے میں قحط پڑ گیا[2]۔ گو اس قحط کی ایک وجہ غالباً یہ بھی تھی کہ اُسی زمانے میں امساکِ باراں کی وجہ سے حجاز میں خشک سالی تھی آنحضرت نے ایک دفعہ فقراءِ مکہ میں تقسیم کرنے کے لئے جو پانچ سو دینار بھیجے تھے اور جس پر ابوسفیان نے کہا تھا کہ یہ مکے والوں میں پھوٹ ڈلوانے کے لئے ہے[3] وہ غالباً اسی زمانے سے متعلق ہے۔ ان سب سے بھی زیادہ مؤثر یہ بات ہوئی کہ رفتہ رفتہ قریش کے حلیف ان کا ساتھ چھوڑنے لگے، اور یا تو وہ مسلمان ہوگئے یا بے بس ہوگئے۔ اور مکے کے چاروں طرف اسلامی قبائل پیدا ہوگئے۔ خیبر ۷ھ میں تباہ ہوگیا، اور طائف جس سے قریش کو بڑی اُمیدیں تھیں فتح مکہ کے زمانے میں صرف تیاریوں میں مصروف رہا اور رمضان ۸ھ میں جب اچانک اسلامی فوجوں نے مکے کے پہاڑوں کے نیچے پہنچ کر پڑاؤ ڈالا تو قریش یکہ و تنہا تھے اور خود ان کا سب سے بڑا سردار ابوسفیان بعض اتفاقات سے مسلمانوں کے پڑاؤ میں جا کر پھنس چکا تھا[4]۔

یہاں صرف اشارۃً یہ بیان کر دینا کافی ہے کہ معرکۂ خندق کے دوسرے سال ذی قعدہ ۶ھ میں آنحضرت مکہ گئے اور قریش کی منہ مانگی شرطیں قبول کر کے دس سال کے لئے ان سے صلح کر لی اور صرف ان سے یہ چاہا کہ وہ اسلامی جنگوں میں غیر جانب دار رہیں[5] اور مثلاً خیبر کے یہودیوں کی مدد نہ کریں۔ چند ہی دنوں میں مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلے (خزاعہ) سے قریش نے جھگڑا مول لیا اور خونریزی کی[6] تو آنحضرت نے "دس ہزار قدوسیوں" کا ایک لشکرِ جرار تیار فرمایا اور "حلبسِ طریق"[8] کر کے اور اپنا مقصد فوج پر ظاہر نہ کر کے بلکہ دکھاوے کے لئے چکر کھا کر اور نامعلوم راستوں سے گزر کر مکہ[9] پہنچے تو قریش کو رات کے وقت پڑاؤ کے چولھوں کی روشنی سے پتہ چلا ورنہ وہ اب تک بالکل بے خبر تھے۔ ابوسفیان نے اسلامی فوج میں گھر جانے کے بعد اپنی بے بسی دیکھ کر اسلام کا اظہار کیا اور جان بچا لی لیکن آنحضرت نے ان کو نگرانی میں رکھا[10] اور اس وقت تک رہا نہ کیا جب تک کہ اسلامی فوج حملے کے لئے روانہ ہو کر صورت حال یہ نہ ہو گئی

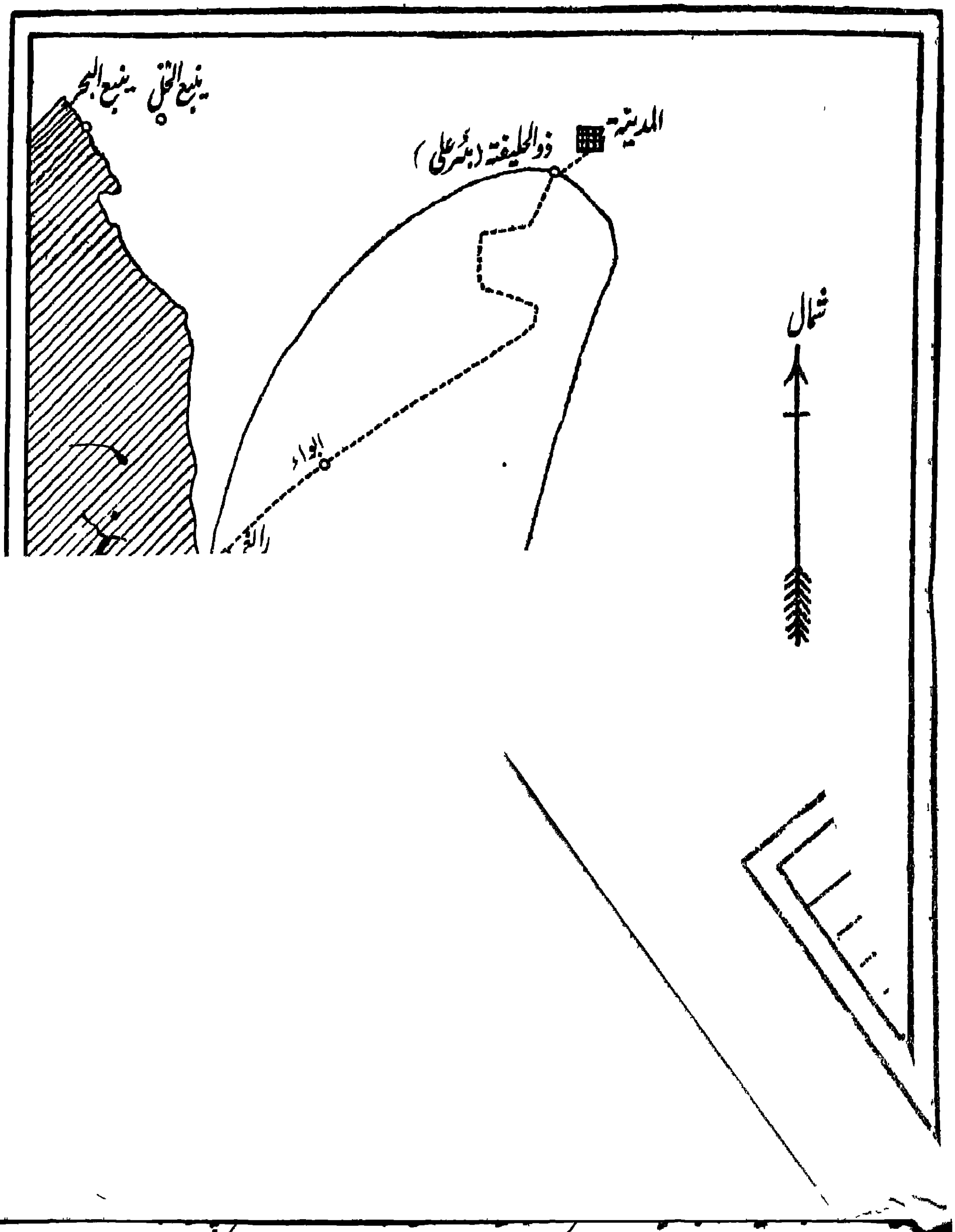
---

[1] طبری ۳ھ غزوۃ القردۃ ۱۳۷۵ [2] ابن ہشام ص ۹۹۷ تا ۹۹۸ نیز استیعاب ۲۷۸ [3] مبسوط سرخسی ۱۰/۹۱-۹۲ [4] ابن ہشام ص ۸۱۱ تا ۸۱۵ [5] صلحنامہ حدیبیہ کا متن سیرۃ ابن ہشام، الوثائق السیاسیہ وغیرہ میں ہے۔ [6] ابن ہشام ص ۸۰۵ [7] ابن ہشام ص ۸۱۰، ۸۲۰ [8] کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۵۱ (ص ۲۵۳ طبع جدید) [9] طبری ۸ھ ص ۱۶۳۲ وغیرہ
[10] ابن ہشام ص ۸۱۴

جیسا کہ ایک
کہ اب قریش کی چڑھ
کا موقع نکل آیا اور
بدر اور خندق میں قر
اصل میں آنحضر
ایک تو قریش کو معا
کی جرأت ہی نہ کرتے
وادی غیر ذی
والصیف" تھا۔ ہجرت
قریب سے مصر وشا
اور ینبوع کے مابین
اور آنحضرت کے فی
بند ہو گیا[1]۔ طائف ا
ہندوستان سے
جو آمدنی ہوتی تھی۔

---

[1] دیکھیے اوشاکوں



۱ طبری سنہ ۸ھ ص ۱۶۳۲
۲ رہبر دکن یوم فتح مکہ نمبر رمضان ۱۳۵۸ھ نیز دیکھو تاریخ طبری ص ۳۲ ۲۵ تا ۳۳
۳ ابن ہشام ص ۸۱۵
۴ ابن ہشام ص ۸۱۶

کہ قریش کے لئے اپنی قوتوں کو جمع کرنا ناممکن ہوگیا۔ مرعوب دل ابوسفیان نے آکر گھبراہٹ کو مکمل کردیا اور یقین دلایا کہ مقابلہ بے سود ہے اور یہ کہ ہتیار ڈال دینے، خانہ نشین ہو جانے، ابوسفیان کے گھر میں پناہ لینے یا قومی معبد (کعبہ) کے احاطے میں — جہاں خونریزی کی کسی کو جرأت نہ ہوسکتی تھی — چلے جانے پر آنحضرت نے ان کو امن دینے کا وعدہ کیا ہے[1]۔ ایک طرف ناقابلِ مقابلہ زبردست قوت اور دوسری طرف اس نرمی اور رحم دلی کی خبروں نے لڑائی کی نوبت نہ آنے دی، اور قریش نے اپنے شہر پر خاموشی سے آنحضرت کا قبضہ ہوجانے دیا۔ البتہ مکّے پر چڑھائی اور فوجی نقل و حرکت کی تفصیل یہاں ضروری ہوگی۔

مکۂ معظمہ ایک وادی میں واقع ہے، جس کے ہر طرف اونچے اور دشوار گزار پہاڑ ہیں۔ صرف ایک بڑا راستہ ہے جو شمالاً جنوباً شہر میں سے گزرتا ہے، اور دو ذیلی راستے ہیں جو اس بڑے راستے میں آکر مل جاتے ہیں یعنی طریقِ حجون اور طریقِ کدا۔ فوج کا بڑا حصہ جنابِ رسالت مآب کے ساتھ عام شمالی راستے یعنی معلات کی طرف سے بڑھنے لگا[2]۔ کچھ فوج حضرت الزبیر بن العوام کے تحت طریقِ کدا سے بڑھائی گئی[3] تاکہ وادیٔ فاطمہ کی راہ ساحل کی طرف جانے والی گزرگاہ کھلی نہ رہے۔ ایک اور مضبوط دستہ سیف اللہ خالد بن الولید کو دے کر جنوبی راستہ یعنی مسفلہ کی راہ لیط کی طرف سے شہر میں بڑھنے کا حکم دیا[4]۔ ایک اور فوج حجون کے راستے سے بڑھائی گئی[5]۔ ادھر سے ایک راستہ جدہ جاتا ہے اور ایک ایک شاہ راہ جنوب میں یمن کی طرف جاتی ہے، اور ہر معرکے کی طرح مسلمانوں کے لئے شعار (واچ ورڈ) بھی مقرر کردیے گئے تھے (ابن ہشام ص ۸۱۸)

جس صبح کو کوچ تھا اس سے پہلے کی رات کو آنحضرت نے حکم دیا تھا کہ ہر مسلمان سپاہی پڑاؤ پر ایک آگ روشن کرے۔ جب دور سے قریش نے ان دس ہزار چولھوں کو دیکھا تو ان کے چھکے چھوٹ گئے کہ حج کے زمانے میں منا میں جو کیفیت ہوتی ہے[6] وہی نظر آتی ہے، اور انھوں نے خیال کیا کہ جتنے چولھے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ ہی لوگ ہوں گے۔ ان کے اچھے اچھے افسر یا تو مر چکے تھے (مثلاً ابوجہل وغیرہ)

---

[1] ابن ہشام ص ۸۱۵ مبسوط السرخسی $\frac{۱۰}{۳۹}$ خراج لابی یوسف ص ۱۳۱ التنبیہ للمسعودی ص ۲۶۷۔ [2] ابن ہشام ص ۸۱۷
[3] ایضاً ص ۸۱۶ [4] ابن ہشام ص ۸۱۶ [5] طبری ص ۱۶۳۵ [6] بعض روایتوں (مثلاً ابن ہشام ص ۸۱۲) میں قبیلہ خزاعہ کے پڑاؤ کی آگ کو بھی اس کے سامنے حقیر ٹھیرایا گیا ہے۔

یا مسلمانوں میں مل گئے تھے (جیسے حضرت خالد بن الولید اور حضرت عمرو بن العاص) یا اس وقت انھیں مشورہ دینے موجود نہ تھے (جیسے حضرت ابو سفیان) پچھلی جنگوں کی مسلسل و لا حاصل زحمتیں، معاشی دباؤ کی تکلیفیں، حریف کی اچانک کثیر تعداد میں آمد پر نفسیاتی تردد جبکہ حلیفوں کو مدد کے لئے بلانے کا موقع نہ تھا، ابو سفیان کا آخری لمحے میں آکر مقابلے کو بے سود بتانا اور آنحضرت کے رحم دلانہ اعلانِ معافی کا تذکرہ کرنا، یہ تمام امور اور دیگر واقعات نے قریش کو آمادہ کیا کہ ہتھیار نہ چلائیں اور اپنے آپ کو اپنے سابق ہم شہری کے رحم وکرم کے سپرد کر دیں۔

دس سال کی شبانہ روز جسمانی اور روحانی کاوشوں کے بعد مکے کا جلاوطن اب وہیں فاتحانہ داخل ہو رہا تھا، مگر کس انداز سے؟ کسی جبار فاتح کی طرح اکڑتے، سینہ تانے اور مسبب حقیقی کو بھلا کر نشۂ خود پرستی میں سرشار؟ نہیں بلکہ ابن ہشام (ص ۸۱۵) کے مطابق شرماتے، بارگاہ خداوندی میں سر نیاز جھکاتے اور بار بار اونٹنی کے کجاوے ہی پر سجدۂ شکر ادا کرتے ہوئے، اور پچھلی مالی و بدو جانی اذیتوں پر انتقام کے خیال کی جگہ لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء[1] (آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو) کے عفو اور عام درگزر کا اعلان کرتے ہوئے جو بالفاظ مولانا مناظر احسن گیلانی[2] کے اُدْخُلُوا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوا حِطَّةٌ "(اس شہر میں داخل ہو اور جیسا چاہو کھاؤ، لیکن دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور معافی معافی کہتے ہوئے داخل ہو) کی خالص اسلامی شان کا مکمل مظاہرہ تھا۔

فوج کی صف بندی اور معائنہ، بدر و اُحد جیسی ابتدائی لڑائیوں میں تک آنحضرت ملحوظ رکھتے تھے۔ فتح مکہ تک فوج میں اتنا کچھ ضبط اور تنظیم پیدا ہو چکی تھی کہ اب یہ کام ایک خصوصی افسر صف آرائی (واضع)[3] کے سپرد کر دیا جا سکتا تھا اور اس کے ذریعے سے احکام کی پوری تعمیل ہوتی تھی۔ فوج میں خبر رسانی کے مکمل انتظامات تھے، اور سپاہیوں اور افسروں کی رتی رتی بات کی اطلاع ملتی رہتی تھی۔ معمولی چیزوں کو نظر انداز کر دیا جاتا تھا اور اہم امور میں فوری تدارک عمل میں لایا جاتا تھا۔ چنانچہ مکے پر چڑھائی کی آخری نوبت میں جب[4] ایک افسر نے یہ خیال آرائی کی کہ اب مکے کا سر نیچا کیا جائے گا اور اسے لوٹ

---

[1] طبری سنہ ۸ھ ص ۱۶۴۲ [2] رہبر دکن یوم فتح مکہ نمبر رمضان ۱۳۵۵ھ نیز دیکھو تاریخ طبری ص ۲۲ ۲۵ تا ۳۳
[3] ابن ہشام ص ۸۱۵ [4] ابن ہشام ص ۸۱۶

[1] ابن ہشام ص ۸۱۵ مبسوط السرخسی ۱/۳۹ خراج لابی یوسف ص ۱۳۱ التنبیہ للمسعودی ص ۲۴۶ ۔ [2] ابن ہشام ص ۸۱۷

[3] ایضاً ص ۸۱۶ [4] ابن ہشام ص ۸۱۶ [5] طبری ص ۱۶۳۵ [6] بعض روایتوں (مثلاً ابن ہشام ص ۸۱۲) میں قبیلہ خزاعہ کے پڑاؤ کی آگ کو بھی اس کے سامنے حقیر ٹھیرایا گیا ہے ۔

لیا جائے گا، تو فوراً اُسے علیحدہ کر کے کمان دوسرے افسر کے سپرد کر دی گئی، اور عام منادی کرادی گئی کہ مکۂ معظمہ اور قبلۂ مسلمانان کا سر نیچا نہیں بلکہ اس کی عزت میں آج سے مزید اضافہ ہو گا، اور شہر میں ہر طرح امن و امان ملحوظ رکھا جائے گا۔ فوج کی تنظیم اپنے فطرتی رجحانات کے مطابق تھی اور ہر قبیلہ اپنے ہی افسروں کی سرکردگی میں کارگزار تھا۔ مہاجرین، انصار، اسلم، غفار وغیرہ کے رضا کار سب کے الگ الگ دستے تھے۔ لیکن ایک ہی کل کے پرزوں کی طرح پوری ہم آہنگی کے ساتھ کام کرتے تھے۔

۱؎ ابن ہشام ص ۸۱۴

حُنین اور طائف

(تصاویر ج ۱-۵)

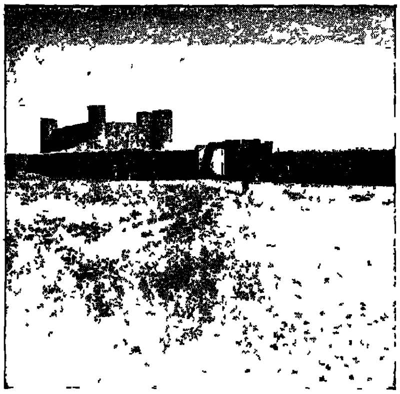
یہ عجیب بات ہے کہ حُنین کا مشہور اور اہم میدانِ جنگ جس کا قرآن میں نام کے ساتھ ذکر ہے، صدیوں سے گوشۂ گمنامی میں چلا گیا ہے، اور پُرانے جغرافیہ نگاروں کو یہ تک معلوم نہ ہو سکا کہ حنین کس جگہ واقع تھا۔ وہ مختلف روایتیں بیان کرتے ہیں جن میں باہم تطابق کی کوئی صورت نہیں اور مجبوراً اُن کے باہم تعارض کے باعث سب ہی کو ساقط اور نظر انداز کر دینا پڑتا ہے۔ حالیہ سالوں میں متعدد اہل علم سیّاحوں نے اس جگہ کا پتہ لگانے کی کوشش کی، اور سنہ ۱۳۵۵ھ کے اواخر میں حج کے زمانے میں آٹھ سال کے وقفے کے بعد مَیں نے اس کی دوسری مرتبہ جستجو کی، اور اب کی دفعہ ساڑھے ستّر میل کی مسافت گدھے پر طے کرنے کے باوجود بھی گوہرِ مراد، افسوس سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہاتھ نہ آیا۔

اصل میں ہم لوگ اب تک حنین کو مکّے اور طائف کے بیچ میں ڈھونڈھتے رہے ہیں، اور اب مَیں محسوس کرتا ہوں کہ یہ قصور ہمارا ہی ہے کہ مقصد کو نہیں پہونچتے۔ سب لوگ جانتے اور مانتے ہیں، اور احادیث میں بھی صراحت سے ذکر ہے کہ سوائے تبوک کے موقع کے آنحضرت ہمیشہ فوجی مہموں میں توریہ[۱] (دکھاوا) فرمایا کرتے تھے اور غیر سمت میں چل کر نامانوس اور سُنسان راستوں سے گزر کر دشمن کو انجان جا لیتے تھے۔ اس لئے یہ قطعاً غیر یقینی ہے کہ آنحضرت مکّے سے طائف کو سیدھے راستے سے گئے ہوں۔

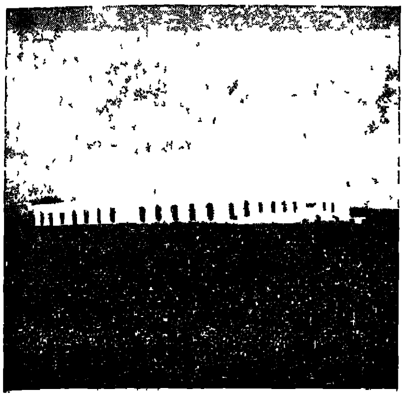
یوں بھی سیرت نبویہ کی کتابیں بتاتی ہیں کہ حُنین کی لڑائی جبل اوطاس[۲] کے درّوں اور پُر پیچ وادیوں کے قریب ہوئی۔ دوسری اہم تفصیل ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ حُنین سے فارغ ہو کر جب آنحضرت طائف کا محاصرہ کرنے روانہ ہوئے تو نخلۂ یمانیہ اور قرن سے ہوتے ہوئے پہلے مقام لیّہ[۳] پر پہنچے اور

---

۱ ابن ہشام ص ۸۹۴ — ۲ ابن ہشام ص ۸۴۰ و ما بعد — ۳ ابن ہشام ص ۸۷۲



ج ۱ قلعۂ طائف



ج ۲ مسجد ابن عباس۔ طائف



ج ۳ مقابر شہداء و ضریح حضرت زید بن ثابت۔ طائف



ج ۴ زرخیز طائف کا عظیم الشان درخت انجیر



ج ۵ طائف کے راستے میں وادیاں

طائف تقریباً تین ہزار فٹ کی بلندی پر ایک سطح مرتفع ہے۔ مکے سے وہاں پہنچنے کے تین راستے ہیں۔ قریب ترین راستہ جو عرفات سے گزر کر جبل کرا کے دامن میں پہنچتا ہے، اور پھر ایک دشوار پہاڑی چڑھائی کے بعد طائف پہنچا دیتا ہے، وہ صرف گدھوں کے ذریعے سے طے کیا جا سکتا ہے، یہ تقریباً پچاس ساٹھ میل ہوگا اور عصر کو سوار ہوں تو آدھی رات تک چل کر صبح تک وقفہ لیتے ہیں پھر ظہر تک طائف پہنچ جاتے ہیں۔ دوسرا راستہ جو جعرانہ سے گزرتا ہے اونٹوں کے راستے سے طے ہوتا ہے، مجھے اس کی واقفیت نہیں، تیسرا راستہ اب وادی نعمان اور سیل سے گزر کر موٹر میں طے ہوتا ہے اور ڈاک کی موٹر اس ستر پچھتر میل کی مسافت کو تین چار گھنٹوں میں طے کر لیتی ہے، اور ہموار چوڑی وادیوں میں شاید ہی کہیں دشوار گذار راستہ آتا ہو۔

خود طائف میں قدیم زمانے میں قبیلہ وار محلے تھے اور ایک دوسرے سے فرلانگ دو فرلانگ میل دو میل کے فاصلے پر۔ اور ہر محلے کے ساتھ زراعت اور باغبانی کے الگ انتظامات تھے۔ ایسے بہت سے محلے اب کھنڈر نظر آتے ہیں مگر بعض قدیم محلے اب بھی باقی ہیں۔ اور وادیٔ وجّ سے سیراب ہوتے ہیں جو تقریباً نصف دائرہ بناتی ہوئی گزرتی اور بارش کے سوا اور دنوں میں خشک ہو جاتی ہے کیونکہ کسی بند کا آس پاس انتظام نہیں ہے۔ پانی کے چشمے البتہ متعدد ہیں اور انھیں سے کاریز (زمیں دوز نہریں) نکال کر باغوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں بعض ایرانی انجنیروں کی مدد[1] سے آبادی کا ایک محفوظ اور مسطح حصہ دیکھکر ایک فصیل کے ذریعے سے قلعہ بند کر لیا گیا تھا اور اسی حصّے کو "طائف" (گھیرا) کہتے تھے ورنہ پوری آبادی وجّ کہلاتی تھی۔ مقامی روایات کے مطابق لات اور عزّیٰ کے بت خانے بھی اسی "گھیرے" کے اندر تھے۔ ایک کی جگہ آج کل سرکاری ہوٹل یا مہمان خانہ بنا ہوا ہے اور دوسرے کی جگہ ایک بڑا سا خانگی گھر۔ موجود فصیل ترکی دور کی یادگار ہے لیکن اس کا کم از کم کچھ حصّہ ضرور قدیم "گھیرے" ہی کی جگہ ہے کیونکہ شہدائے محاصرۂ طائف کی قبریں مسجد ابن عباس سے متصل فصیل کے عین نیچے ہی اب تک موجود ہیں۔ اور وہیں حضرت زید بن ثابت (کاتب وحی و میر منشیٔ دربار رسالت) بھی آرام فرما رہے ہیں۔ اور بقول ابن ہشام (ص ۸۷۲) اسی مسجد کے پاس اسلامی پڑاؤ تھا۔

کسی قلعے کا محاصرہ کرنا طائف میں اسلامی فوجوں کے لئے ایک نیا تجربہ[2] تھا اور ظاہر ہے کہ صحرانشین

---

[1] کتاب الاغانی ج ۱۲ ص ۴۸ تا ۴۹ [2] خیبر کے معرکے کے بعد

وہاں سے آگے بڑھ کر خاص طائف کی فصیل کے نیچے آ ٹھیرے۔

یہ دونوں تفصیلیں بڑی اہم ہیں، اوّلاً اوطاس کے متعلق یہ یاد رہے کہ اس نام کا پہاڑ یا وادی نہ تو مکے اور طائف کے بیچ میں کہیں واقع ہے اور نہ طائف کے آس پاس کسی جگہ۔ البتہ خدا بخشے سلطان عبدالحمید خاں ثانی کو انھوں نے حجاز ریلوے ڈالی تو انجنیروں سے ایک نقشہ بھی تیار کرایا اس نقشے میں مقام اوطاس طائف کے شمال مشرق میں کوئی تین چالیس میل پر اب تک بھی مشہور ہونا بتایا گیا ہے۔

وادی لیہّ قدیم سے بڑی مشہور جگہ ہے اور میں نے اسے شہر طائف کے تقریبًا مشرق جنوب مشرق میں کوئی چھے میل پر ایک زرخیز اور آباد گاؤں پایا۔

ایک اور اہم چیز جو قابلِ ذکر ہے وہ یہ ہے کہ ہوازن کا قبیلہ اب بھی موجود ہے، اور یہ طائف سے وہاں کے لوگوں کے بیان کے مطابق کوئی تین دن کے فاصلہ پر رہتا ہے ، اور اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو یہ اسی سمت میں رہتے ہیں جدھر مقام اوطاس نقشۂ حجاز ریلوے میں بتایا گیا ہے۔

اب رسولِ کریم کی فوجی نقل و حرکت بہت صاف سمجھ میں آجاتی ہے، اور وہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہوازن کو قلعبند شہر طائف میں پہنچنے سے روکا جائے۔ آپ مکّے سے تقریبًا شمال میں روانہ ہوتے ہیں اور نصف دائرہ سا راستہ بنا کر حُنین پہنچتے ہیں اور تھوڑی سی دشواری کے بعد دشمن کو تتر بتر کرکے اور ان کے بیوی بچّوں اور مال مویشی کو گرفتار کرکے حفاظت سے مکّے کی سمت میں روانہ کر دیتے ہیں پھر اسی طرح چکر دار راستے سے آگے بڑھتے ہوئے اوطاس سے ہو کر لیہّ پہنچتے ہیں اور وہاں کی گڑھی منہدم کر دیتے ہیں (ابن ہشام ص ۸۷۲) اس کی فتح اہلِ طائف کے لئے بڑا معاشی دُکھ پہنچاتی ہے، اور پھر آگے بڑھ کر طائف کو ایک ایسے رُخ سے آکر گھیر لیتے ہیں، جدھر وسیع میدان ہیں۔ اور پڑاؤ وغیرہ کی سہولت ہے۔ مگر جدھر سے آپ کے آنے کا اہلِ طائف کو گمان نہیں ہو سکتا تھا۔

حنین غالبًا جبل اوطاس کی ایک وادی کا نام تھا۔ مَیں غلط فہمیوں میں مبتلا رہ کر سفرِ حجاز کے مواقع پر ادھر نہ جاسکا۔ اس لئے وہاں کی تفصیل دینی ممکن نہیں ہے۔ اصابہ (۲۰۶۶/۱) میں ایک شخص کے اس موقع پر افسر مال غنیمت مقرر ہونے کا ذکر ہے جو یقینًا ہر لڑائی میں ہوتا ہو گا۔ چنانچہ جنگ بدر کے سلسلے میں بھی ابن ہشام (ص ۴۵۷) نے اس کا ذکر کیا ہے۔

اوطاس میں لوٹے ہوئے مال غنیمت کی تقسیم کی[1]۔ اور کچھ دن بعد اہل ہوازن کے وفد کے آنے پر ان کے تمام بیوی بچوں کو واپس فرما دیا[2] اور اس طرح طائف کو اس کے سب سے بڑے مددگار سے بچھڑا دیا اور یوں بھی طائف کے چاروں طرف اسلامی اثرات جو کافی تھے روز بروز بڑھتے ہی چلے گئے۔ اور محاصرے میں کامیاب مدافعت کے باوجود سال چھ ماہ کے اندر ہی انھوں نے اپنا وفد مدینہ بھیجا اور لات وعزیٰ کو توڑ کر خدائے واحد کے پرستار بن گئے[3]۔

---

[1] ابن ہشام ص ۸۷۶ و ما بعد [2] ابن ہشام ص ۸۷۷ و ما بعد [3] ابن ہشام ص ۹۱۴ و ما بعد

خانہ بدوش بدوی جمعیتوں کے مقابلے کے لئے جو اُصولِ جنگ کام آتے ہیں وہ بہت کچھ بے کار تھے اِسی لئے آنحضرت نے منجنیق، دبّابے اور عرّادے اور اسی طرح کے قلعہ شکن آلات استعمال فرمائے[1] اور پھر معاشی دباؤ ڈالنے کے لئے بیرونِ قلعہ ان کے باغوں کو تباہ کر دینے کی دھمکی دی[2] مگر چونکہ رحمتؐ للعالمین اور نبی کا منشا وہ نہیں ہو سکتا تھا جو عام فاتحوں کا کہ حریف کو ہر طرح نقصان پہنچائیں اس لئے اہل طائف کی التجا پر باغوں کی مزید قطع و برید روک دی گئی

دوسری تدبیر یہ اختیار فرمائی کہ ایک اعلان شائع فرمایا کہ دشمن کے ملک کا جو غلام بھاگ کر آ کر اسلام قبول کر لے وہ آزاد سمجھا جائے گا[3] - یہ قاعدہ بھی، جو فقہ اسلامی میں داخل ہو چکا ہے، رنگ لائے بغیر نہ رہا[4]

ایک اور انتظام یہ فرمایا گیا کہ محاصرے کے لئے منجنیق اور دبّابوں وغیرہ کے بنانے اور چلانے کی تربیت حاصل کرنے کے لئے چند قابل کاریگروں کو جُرَش نامی مقام پر روانہ فرمایا[5] - یہ طائف کے جنوب میں کچھ فاصلے پر تھا۔ نہ کہ عرب کے شمال میں جیسا کہ شبلی مرحوم نے سیرت النبی[6] میں لکھا ہے عرب کے شمال میں جو اس کا ہمنام شہر تھا اس سے سیرت النبیؐ کے کسی خاص اہم واقعے کو کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ اس مقام (جُرَش) پر جو طائف ہی کی طرح ایک فصیل دار اور محفوظ شہر تھا[7] یہودیوں کی خاصی آبادی تھی جیسا کہ خود طائف میں بھی تھی[8] اور غالباً ان آلات کی صنعت انھیں یہودیوں میں تھی جیسا کہ خیبر کے یہود میں بھی نظر آتی ہے۔ (مغازی الواقدی، ورق ۱۵۱ الف)

ایک اور انتظام واقدی (ورق ۲۰۸ ب) کے مطابق فصیل کے اطراف کانٹے بکھیر دینا تھا: ونثر رسول اللہ الحسك سعس حسك من عيدان حول حصنهم)

اہل طائف کو غالباً اس طرح محصور ہونے کا اس سے پہلے بارہا تجربہ ہوا ہو گا۔ وہ اس کی مدافعت کی تدبیروں سے اچھی طرح واقف معلوم ہوتے تھے۔ منجنیق سے اُنھیں کوئی خاص نقصان نہ پہنچا اور دبابے میں بیٹھ کر فصیل شکنی کو اُنھوں نے دہکتی ہوئی فولادی میخوں سے دبابوں پر منڈھے ہوئے چمڑے کو جلا کر اور عام لوگوں کو تیر اندازی کا نشانہ بنا کر قریب آنے سے کامیاب طور پر روکا[9] شہر میں کھانے پانی کی کمی نہیں معلوم ہوتی تھی۔

غرض ان مختلف وجوہ سے آنحضرت نے محاصرہ اُٹھا لیا اور واپس ہو گئے۔ جعرّانہ پہنچ کر ہوازن سے

---

[1] ابن ہشام ص ۸۷۲ یا طبری ص ۱۶۷۲ [2] ابن ہشام ص ۸۷۳ [3] ابن ہشام ص ۸۷۲
[4] ابن ہشام ص ۸۶۹ - ابن سعد ج ۱/۲ ص ۵۲ [5] سیرت النبی (طبع دوم) جلد ۲ ص ۷۷ [6] ابن ہشام ص ۹۵۴
[7] فتوح البلدان البلاذری ص ۱۵۶ [8] ابن ہشام ص ۸۷۳



م/١ ثنیتہ الوداع جہاں ہجرت کے وقت رسول کریم کا استقبال ہوا (طع البدر علینا۔ من ثنیات الوداع)



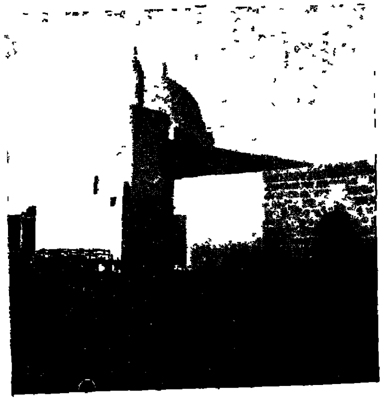
م/٢ اطم لضحیان (مدینہ مین قبل اسلام کی گڑھی)



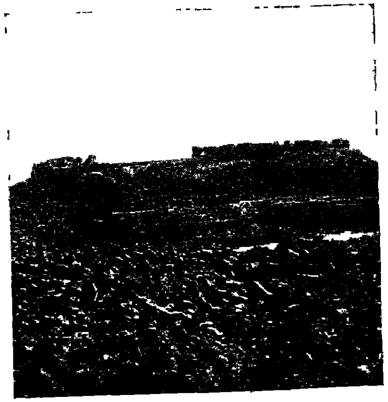
م/٣ سقیفۂ بنی ساعدہ جہاں خلافت صدیق کا فیصلہ



م/٤ مسجد غمامہ (عید گاہ جہاں سے عہد نبوی میں گھڑ دوڑ شروع ہوتی تھی)



م/٥ مسجد السبق (جہاں رسول کریم گڑدوڑ کے نتائیج جانچنے کڑے ہوتے تھے)



م/٦ کعب بن الاشرف (بنو النضیر) کا کھنڈر قصر



م/٧ قصر کعب بن اشرف کا متصلہ سنگین حوض

یہودیوں کی لڑائیاں

پہلی لڑائی بنو قینقاع سے ہوئی۔ یہ لوگ مدینے میں اسلامی آبادی کے اندر ہی رہتے تھے اور سنار کا کام کرتے تھے۔ اور آنحضرت کے حکم پر جان بچی لاکھوں پائے کہتے ہوئے شہر چھوڑ کر چلے گئے تھے[1] اور اس اخراج کی نگرانی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بقول طبری (صا۱۳۶۱) ایک خاص افسر مقرر فرمایا تھا نیز ان کے محلے کے محاصرے کے دوران میں اسلامی محلوں میں نائب بھی چھوڑا تھا۔ اس کے بعد بنو النضیر سے جنگ احد کے بعد جھگڑا ہوگیا۔ اور آنحضرت نے ان کے محلے کا محاصرہ کرلیا۔

جیسا کہ اوپر دیکھا گیا ہوگا، مدینے کے محلوں کی صورت یہ تھی کہ چند مکان ہوتے تھے جن میں حسب ضرورت و مقدرت گڑھیاں اور قصر ہوتے تھے اور یہ سب لاوے کے پتھر سے تعمیر ہوتے تھے ان سے قریب ہی باغ اور نخلستان تھے جو ان کی گسبر برد کا کافی بڑا ذریعہ تھے۔

بنو النضیر کا محلہ حرۂ شرقیہ میں مسجد نبوی کے جنوب مشرق میں تھا۔ (نقشہ کے تصاویر پر ہے) اور ان کے اور بنو قریظہ کے محلے میں عوالی کے باغ حد فاصل تھے۔ ان لوگوں کی تعداد بظاہر دو ڈھائی ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ مورخ لکھتے ہیں[2] کہ ان کا محاصرہ کرتے ہوئے آنحضرت نے اپنا پڑاؤ ایسی جگہ ڈالا کہ انھیں بنو قریظہ سے مدد کی توقع نہ رہی۔ چنانچہ وہاں مسجد شمس جسے مسجد الفضیخ بھی کہتے ہیں اب تک اس کی یادگار ہے۔ دوسری ایک تفصیل جس کا قرآن میں بھی اشارۃً ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ تیراندازی وغیرہ جنگی ضرورتوں سے ان کے باغوں سے بعض کھجور کے درخت بھی کاٹنے پڑے تھے، جس سے مدینے کی گڑھیوں کی حفاظت کے سامان کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

---

[1] ابن ہشام ۵۴۶ [2] سیرۃ شامی بر موقع۔

اِس لڑائی کی اس سے زیادہ اور تفصیلیں معلوم نہیں سوائے اس کے کہ محاصرے سے تنگ آ کر انھوں نے ہتیار ڈال دیے اور سامان ساتھ لے کر مدینہ چھوڑ کہیں اور جا بسنے پر آمادہ ہوگئے۔ چند شام گئے اور اکثر خیبر چلے گئے[۱]۔ بنو قینقاع کی بستی تو آج کل محض میدان ہے، البتہ بنو النضیر کی بستی میں کعب بن الاشرف کا قلعہ اب تک کھنڈر ہی سہی نظر آتا ہے۔ اور زمانۂ جاہلیت کی عربی تعمیر کا ایک اچھا نمونہ ہے (تصاویر ہا ہے)۔ بنو النضیر کی بستی کے جنوب میں حرۂ شرقی میں وادی مذینب کے قریب ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے۔ اس پر قصر کعب بن الاشرف کی دیواریں تقریباً گز سوا گز اونچی اب تک کھڑی ہوئی ہیں۔ قصر کے اندر ہی ایک کنواں ہے جو ظاہر ہے کہ محاصرے میں کام آتا ہوگا۔ ٹیلے کے دامن میں اور قصر سے متصل ایک بڑے پختہ گچ اور پتھر سے بنے ہوئے حوض کے اب تک آثار باقی ہیں جس میں پانی کو ایک حصے سے دوسرے میں گزارنے کے لئے پکّی مٹی کے نل بھی اب تک نظر آتے ہیں۔

بنو قریظہ کے محاصرے کے حربیاتی حالات ہمیں اس سے بھی کم معلوم ہیں، سوائے اس کے کہ ان کے مالِ غنیمت سے شام اور نجد میں اسلحہ اور گھوڑے خریدے گئے (سیرۃ الشامی)۔ خیبر کا تذکرہ بہت دلچسپ ہو سکتا لیکن باوجود کوشش کے مجھے خیبر جانے کا موقع نہ مل سکا، اس لئے اس کا تذکرہ کسی آئندہ فرصت کے لئے اٹھا رکھنا پڑتا ہے۔ یہی حال مُوتہ اور تبوک کا ہے اور تمنا ہے کہ جلد ان پر بھی کچھ کام کیا جا سکے۔

یہودیوں کی جنگ کے سلسلے میں امام محمد الشیبانی[۲] اور غالباً انھیں کی بنیاد پر السرخسی[۳] نے (المبسوط میں) لکھا ہے کہ بنو قریظہ کی جنگ میں آنحضرت کو بنو قینقاع نے مدد دی۔ یہ بیان عجیب سا ہے کیونکہ بنو قینقاع بدر کی لڑائی کے بعد ہی مدینے سے نکال دیئے گئے تھے[۴]۔ اگر یہ بیان جو الشیبانی وغیرہ نے لکھا ہے صحیح ہے تو اُس کے معنے غالباً یہی ہونگے کہ بنو قینقاع کو جو سزا دی گئی وہ اس بڑے قبیلے کے صرف چند خاندانوں کی حد تک محدود ہوگی کیونکہ جس قصور پر وہ فیصلہ کیا گیا تھا اس کے ذمہ دار بھی چند ہی گھرانے تھے[۵]۔

سیرۃ الشامی میں جنگ خیبر کے سلسلے میں لکھا ہے کہ وہاں ایک قلعے کے زمین دوز راستے

---

[۱] ابن ہشام ص ۶۵۳ - طبری ص ۱۴۵۲ کے مطابق وہ گاتے بجاتے دھوم دھام سے نکلے - [۲] کتاب الاصل باب السیر مخطوطات استانبول [۳] المبسوط ج ۱۰ ص ۲۳ [۴] ابن ہشام ص ۵۴۶ [۵] ابن ہشام ص ۵۴۵

کتابیات

(۱) سیرۃ ابن ہشام

(۲) سیرۃ الشامی (مخطوطہ قرویین، فاس، مراکش)

(۳) تاریخ الطبری

(۴) تفسیر الطبری

(۵) البدایہ والنہایہ لابن کثیر

(۶) طبقات ابن سعد

(۷) وفاء الوفاء للسمہودی

(۸) مغازی الواقدی (مخطوطہ برٹش میوزیم)

(۹) مرآۃ الحرمین لاحمد رفعت باشا (۲ جلد)

(۱۰) نظام الحکومۃ النبویہ المسمی التراتیب الاداریہ للکتانی (۲ جلد)

(۱۱) الاستیعاب لابن عبد البر

(۱۲) الاصابہ لابن حجر

(۱۳) التنبیہ والاشراف للمسعودی

(۱۴) الوثائق السیاسیہ لعہد النبی والخلافۃ الراشدۃ لمحمد حمید اللہ (قاہرہ ۱۹۴۰ء)

(۱۵) قرآنی تصورِ مملکت (قرآنک ورلڈ، اپریل ۱۹۳۶ء (انگریزی) (نیز معارف اعظم گڈھ دسمبر ۱۹۴۱ء)

(۱۶) شہری مملکتِ مکہ (اسلامک کلچر، جولائی ۱۹۳۸ء۔ (انگریزی) (نیز معارف اعظم گڈھ، جنوری و فبروری ۱۹۴۲ء)

(۱۷) دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور (مجلۂ طیلسانین، جولائی ۱۹۳۹ء) نیز اسلامک ریویو، ووکنگ اگسٹ تا نومبر ۱۹۴۱ء

کا پتہ آنحضرت کو ایک یہودی ہی نے دیا[۱]۔ واقدی نے لکھا ہے کہ خیبر کے محصور قلعوں سے یہودی مسلمانوں پر منجنیق سے پتھر پھینکا کرتے تھے[۲]۔ غالباً اسی مہم کے مال غنیمت سے دوسرے سال طائف کے محاصرے میں آنحضرتؐ نے منجنیق اور دبابے وغیرہ استعمال کیئے اور نئے بنانے کی طرف متوجہ ہوئے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

یہودیوں کے سلسلے میں ایک تیسرا واقعہ جنگی ضروریات کے لئے سرمائے کا ہے۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ سیرۃ الشامی میں غزوۂ سویق کے ذکر میں ضمناً بیان ہوا ہے[۳]:۔

سلام بن مشکم وکان سید بنی النضیر — سلام بن مشکم اپنے زمانے میں بنو النضیر کا سردار اور ان کا
فی زمانہ وصاحب کنزھم ... یعنی بالکنز ھنا — محافظ خزانہ تھا ... خزانے سے مراد یہاں وہ مال ہے جسے وہ
المال الذی کانوا یجمعونہ لنوائبھم وما یعرض لھم — مصائب اور اتفاقی ضرورتوں کیلئے جمع کیا کرتے تھے۔

اس قبیلہ واری سرمائے کا ذکر خیبر کے سلسلے میں بھی مکرر آتا ہے اور طبری نے ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے[۴] کہ کنانہ بن الربیع بن ابی الحُقیق کے پاس مدینے کے جلاوطن نضیریوں کا خزانہ تھا۔ بعض اور روایتوں میں ہے جب اس سے آنحضرت نے مال کا پتہ پوچھا تو اُس نے کہا کہ لڑائیوں میں خرچ ہو گیا۔ مگر بعد میں وہ مال ایک کھنڈر میں گڑا ہوا مل گیا۔ اس کی چغلی بھی ایک یہودی ہی نے کھائی تھی (ابن ہشام ص ۷۶۳)[۵]

یہ ایک مختصر تذکرہ ہے جو عہدِ نبوی کے چند اہم میدان ہائے جنگ کے متعلق کچھ دیکھی اور کچھ پڑھی ہوئی چیزوں کی مدد سے مرتب کیا گیا۔ اس کی کوتاہیوں کے اقرار کے ساتھ یہ اعتراف بھی میرا فریضہ ہے کہ ۱۹۳۲ء (۱۳۵۰ھ) میں سفر حجاز کے وقت اِن میدانوں کو دیکھنے اور موقع ملے تو ان کے نقشے اُتارنے کا مشورہ مجھے اپنے محترم اسکاوٹ ماسٹر مولوی علی موسیٰ رضا مہاجر صاحب سے ملا تھا جن سے میں نے اپنی کشافانہ زندگی میں اور چیزوں کے ساتھ مساحت اور نقشہ کشی کے مبادی بھی سیکھتے تھے۔ اُس سفر میں میں صرف اُحد کا نقشہ تیار کر سکا تھا اور ۱۹۳۹ء (۱۳۵۷ھ) کے سفر میں اُحد کا مکرر نقشہ اُتارنے کے ساتھ بدر و طائف وغیرہ بھی جانے اور نقشے بنانے کا موقع ملا۔ جامعہ پاریس نے اِن پر سوربون میں ایک لکچر کی دعوت دی تھی جو وہاں کے ادارۂ علوم اسلامیہ کے رسالے میں فوراً چھپ بھی گیا ہے۔ مقالہ مذکور میں جلدی ہی اتنا کچھ مزید اضافہ کرنا پڑا کہ وہ اصل سے دُگنا تگنا پھیل گیا اور اس اُردو مقالے کی صورت میں مرتب ہوا جو اگرچہ فرانسیسی لکچر کا ترجمہ نہیں ہے لیکن اس لکچر کی کوئی اہم چیز یہاں چھوڑی نہیں گئی ہے سوائے غدیر خم کی دریافت کے ذکر کے جو چھ سو سال سے لاپتہ تھا مگر جس کا تذکرہ یہاں غیر متعلق ہوگا، یا جبل سلع کے کتبات کے جن پر جامعۂ آکسفرڈ نے ایک لکچر کرایا، اور جو اِک رسالہ اسلامک کلچر (اکتوبر ۱۹۳۹ء) میں چھپ گیا ہے۔ فقط۔

محمد حمید اللہ

---

۱ حصن الزبیر کے حالات سیرۃ شامی میں ۲ مغازی واقدی ورق ۱۵۱ ۳ غزوۂ سویق کے حالات شامی میں ۴ طبری ص ۱۵۸۲ ۵ ابن ہشام ص ۷۶۳

(۱۸) سرورِ کائنات کی حکومت (مجلۂ جامعہ، مارچ - اپریل ۱۹۳۱ء)

(۱۹) عربوں اور بیز نطینیوں کے تعلقات (مجموعۂ تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ سالنامہ سوم)

(۲۰) عربی جبشی تعلقات اور نو دستیاب شدہ مکتوب نبوی بنام نجاشی - (مجلۂ نظامیہ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ)

(۲۱) عہدِ نبوی کے عربی ایرانی تعلقات (معارف جولائی ۱۹۴۲ء)

(۲۲) عدل گستری ابتدائے اسلام میں (مجلۂ عثمانیہ، مارچ ۱۹۳۸ء) (نیز معارف اعظم گڑھ - جولائی ۱۹۴۲ء)

(۲۳) تجارت کا تعلق آنحضرت اور خلفائے راشدین سے (تجلّی، حیدرآباد، اردی بہشت ۱۳۳۶ف)

(۲۴) عہدِ نبوی کا نظامِ تعلیم (اسلامک کلچر جنوری ۱۹۳۹ء) (انگریزی) نیز معارف اعظم گڑھ نومبر ۱۹۴۱ء

(۲۵) عہدِ نبوی کی سیاستِ خارجہ کے بعض اصول (تالیف قلبی) (مجلۂ نظامیہ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ)

(۲۶) عہدِ نبوی کی سیاست کاری کے اصول (سیاست جنوری ۱۹۴۰ء)

(۲۷) ہجرت (یا نو آبادکاری) (سیاست جولائی ۱۹۴۰ء)

(۲۸) آنحضرت کا خط قیصر روم کے نام (معارف، جون ۱۹۳۵ء)

(۲۹) مکتوباتِ نبوی کے دو اصول (مجلۂ عثمانیہ جون ۱۹۳۶ء)

(۳۰) فتح مکہ نمبر (رہبر دکن ۲۲ - رمضان ۱۳۵۸ھ)

(۳۱) مدینۂ منورہ کے چند عربی کتبے (اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۹ء) (انگریزی)

(۳۲) رسول کریم کی سیرت کا کیوں مطالعہ کیا جائے (تالیف محمد حمید اللہ)

(۳۳) اسلامی سیاست خارجہ عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں - از محمد حمید اللہ (مطبوعہ پاریس ۱۹۳۵ء) (فرنچ)

(۳۴) عہدِ نبوی کے میدان جنگ رسالۂ R.E.1 پاریس جنوری ۱۹۳۹ء (فرنچ)

(۳۵) غیر جانبداری اسلامی قانون بین الممالک میں ZDMG برلن، جنوری ۱۹۳۵ء (جرمن)

(۳۶) آثار المدینۃ المنورہ لعبد القدوس الہاشمی المدنی